بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

Islamic & Intellectual Studies Magazine

(IISM)

اسلامک اور علم و دانش ریسرچ میگزین

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

شمارہ: اکتوبر 2021، صفر / ربیع الاول 1443

أُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ [النحل: ۱۲۵]

اپنے رب کے راستے کی طرف وزڈم اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلا لیجیے اور ان کے ساتھ اس طریقے سے گفتگو کیجیے جو پسندیدہ ہے۔ بیشک آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے گمراہ ہوا ہے اور وہ انہیں بھی خوب جانتا ہے جو راہ پر چلنے والے ہیں۔

www.mubashirnazir.org

Islamic & Intellectual Studies Magazine

(IISM)

اسلامک اور علم و دانش ریسرچ میگزین

آج جدید دور نے دین و دنیا سے متعلق مختلف سوالات پیدا کر دیے ہیں۔ کہیں الحاد کا دور دورہ ہے تو کہیں خود ساختہ ادیان رائج ہیں۔ اِن حالات میں دین کی بلا تعصب، غیر جانبدارانہ اور قران و سنت کی روشنی میں درست ترجمانی ناگزیر ہے۔ اسی مقصد کے لیے اسلامک اور علم و دانش ریسرچ میگزین (Islamic and Intellectual studies Magazine) کا اجراء کیا گیا ہے، تاکہ دورِ جدید میں مختلف موضوعات سے متعلق دین کا صحیح نقطۂ نظر بلا کم و کاست قارئین تک پہنچایا جا سکے۔ اِس میگزین میں ایمان و اخلاق کی دعوت، تعمیر سیرت، اللہ اور آخرت کی معرفت، تاریخ، سوشل سائنسز اور دورِ حاضر کے تمام گمراہ کن نظریات کو پہچان کر ان سے بچنے کے حوالے سے موضوعات زیرِ بحث آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سارے معاملے میں ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین

آفیشل ویب سائٹ: www.mubashirnazir.org

رابطہ کرنے، تحریریں، آراء اور سوالات بھیجنے کے لئے

Mubashir.nazir@gmail.com , refatnawab@gmail.com

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

داعی بنیے، قاضی نہیں!

ایک مصلح سے کسی نوجوان نے پوچھا کہ صلوٰۃ ترک کر دینے والے کے لئے کیا حکم ہے؟ اس نے جواب دیا "اس کا حکم یہ ہے کہ اسے اپنے ساتھ مسجد لے جاؤ"۔ یہ نوجون اس مصلح سے توقع کر رہا تھا کہ وہ تارکِ صلوٰۃ کے بارے میں حدیث سنا کر کفر کا فتویٰ دیں گے، مگر اس نے اس کو اپنے جواب سے یہ بات سمجھائی کہ لوگوں کا فیصلہ کرنے والے "قاضی" بننے کے بجائے انھیں بھلائی کی طرف بلانے والے "داعی" بنو۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارا دین ایک دعوت ہے، جو لوگوں کو دی جانی ہے۔ یہ ایک امانت ہے جو ہمیں لوگوں تک پہنچانی ہے۔ ایک داعی "مَا أَدْرِیْ مَا يُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ"[1] کی نفسیات میں جیتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ قرآن کی تعلیم "عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ"[2] کی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو نہیں معلوم کہ کسی فرد کا آخری انجام کیا ہو گا۔ چنانچہ وہ لوگوں کی آخرت کے فیصلے کرنے اور ان پر فتویٰ دینے کے بجائے ان تک صحیح بات پہنچانے اور انھیں دعوت دینے میں مصروف رہتا ہے۔ مگر بد قسمتی سے اس کے عین برعکس ہمارے مذہبی طبقے کے اکثر گروہ ایک مختلف نفسیات میں کھڑے ہیں۔ ہم لوگ کسی نہ کسی فرقے یا گروہ سے وابستہ ہوتے ہیں۔ ہماری فکری اٹھان ہی یہ ہوتی ہے کہ ہم "فرقہ ناجیہ" ہیں اور باقی سب ناری اور جہنمی۔ ہم حق پر ہیں اور باقی سب باطل ہیں۔ جو ہم نے سمجھ لیا وہی حق اور سچ ہے اور باقی سب گمراہی ہے۔

اس فکر کے ساتھ لوگوں میں کبھی یہ دردمندی اور ذمہ داری پیدا نہیں ہو سکتی کہ انھوں نے اللہ کے بندوں کو اللہ کی جنت کی طرف بلانا ہے اور دینِ خالص کے حوالے سے لوگوں کی غلط فہمیاں دور کرنی ہیں۔ اس نفسیات کا انسان "داعی" نہیں رہتا، وہ "قاضی" بن جاتا ہے۔ وہ لوگوں کے کفر اور ان کی جہنم کے فیصلے ان کے منہ پر اور ہر محفل میں ببانگِ دُہل سناتا ہے اور اس عمل کو اپنا اعزاز سمجھتا ہے۔ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوجہل جیسے دشمنِ اسلام کو بھی اس کی موت کے

---

[1] میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ (الاحقاف:9)

[2] تمہارے ذمے پہنچانا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔ (الرعد:40)

بعد اسے برا بھلا کہنے سے منع کیا، تاکہ اس کے گھر والوں کی دل آزاری نہ ہو[3]۔ حالانکہ یہ وہ شخص تھا جس کے کفر اور جہنم کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود فرما چکا تھا۔

ایسے لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگوں کے کفر اور ان کی جہنم کے فیصلے سنا کر اسلام کی خدمت کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ صرف اور صرف اللہ کا حق ہے کہ وہ کسی فرد کی آخرت کا فیصلہ کر دے۔ نبی ﷺ نے تو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات پر ایک صحابیہ امِ علاء رضی اللہ عنہا کو ڈانٹ دیا تھا، جب انہوں نے پورے وثوق کے ساتھ کہہ دیا تھا کہ "میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ نے ان کو عزت دی ہے"۔[4] لہٰذا ہم نہ کسی فرد کی جنت کا فیصلہ سنا سکتے ہیں نہ اس کے جہنمی

---

[3] قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِهِ: «يَأْتِيكُمْ عِكْرِمَةُ بْنُ أَبِي جَهْلٍ مُؤْمِنًا مُهَاجِرًا، فَلَا تَسُبُّوا أَبَاهُ، فَإِنَّ سَبَّ الْمَيِّتِ يُؤْذِي الْحَيَّ، وَلَا يَبْلُغُ الْمَيِّتَ» (المستدرك على الصحيحين، رقم الحديث 5055)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: تمہارے پاس عکرمہ بن ابو جہل ہجرت کر کے آ رہا ہے، چنانچہ تم اس کے باپ کو گالی نہ دینا، کیونکہ گالی مرنے والے تک تو پہنچتی نہیں، مگر مردے کو گالی دینے سے زندے کو اذیت ضرور پہنچتی ہے۔

4 أَنَّ أُمَّ الْعَلَاءِ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ بَايَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ : أَنَّهُ اقْتُسِمَ الْمُهَاجِرُونَ قُرْعَةً، فَطَارَ لَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُونٍ، فَأَنْزَلْنَاهُ فِي أَبْيَاتِنَا، فَوَجِعَ وَجَعَهُ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ، فَلَمَّا تُوُفِّيَ وَغُسِّلَ وَكُفِّنَ فِي أَثْوَابِهِ، دَخَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ أَبَا السَّائِبِ، فَشَهَادَتِي عَلَيْكَ: لَقَدْ أَكْرَمَكَ اللهُ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَمَا يُدْرِيكِ أَنَّ اللهَ أَكْرَمَهُ؟. فَقُلْتُ: بِأَبِي أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ، فَمَنْ يُكْرِمُهُ اللهُ؟ فَقَالَ: أَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِينُ، وَاللهِ إِنِّي لَأَرْجُو لَهُ الْخَيْرَ، وَاللهِ مَا أَدْرِي، وَأَنَا رَسُولُ اللهِ، مَا يُفْعَلُ بِي". قَالَتْ: فَوَاللهِ لَا أُزَكِّي أَحَدًا بَعْدَهُ أَبَدًا (صحيح البخاری، كتاب الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت، رقم الحديث: 1243)

ترجمہ: انصار کی ایک عورت ام علاء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، جنہوں نے نبی ﷺ سے بیعت کی تھی۔ وہ کہتی ہیں کہ مہاجرین نے انصار کی تقسیم کا قرعہ ڈالا، ہمارے حصے میں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ آئے، ہم نے ان کو اپنے گھر میں اتارا، وہ بیمار ہو گئے جس سے انہوں نے وفات پائی۔ جب وہ نہلا کر کفن پہنائے گئے تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ میں نے کہا: اے ابوالسائب؛ تم پر اللہ کی رحمت ہو، تمہارے متعلق میری شہادت ہے کہ اللہ نے تم کو عزت دی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اللہ نے اس کو عزت دے دی ہے؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، پھر کون ہے جس کو اللہ معزز بنائے گا؟ آپ نے فرمایا: ان پر موت آئی ہے، اللہ کی قسم؛ میں بھی اس کے لیے خیر کا امیدوار ہوں مگر اللہ کی قسم؛ میں یقین کے ساتھ نہیں جانتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا کِیا جائے گا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ ام علاء رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم؛ میں نے اس کے بعد کسی کے متعلق کبھی بھی پاک ہونے کی شہادت نہیں دی۔

ہونے کا اعلان کر سکتے ہیں۔ ہمارا منفی پہلو سے کوئی کام ہو سکتا ہے تو وہ یہ کہ کسی کا نام لیے بغیر کسی نظریے کی غلطی کو دلائل اور شائستگی کے ساتھ واضح کر دیں۔

اس سے کہیں بڑھ کر کوئی کرنے کا کام ہے تو وہ یہ کہ ایمان اور اسلام کی دعوت درست طریقے سے پیش کی جائے۔ لوگوں کے سوالات کے جواب دیے جائیں۔ جو لوگ دینِ حق کی تعلیمات کے خلاف زندگی گذار رہے ہیں، ان پر فتوے لگانے اور ان کو برا بھلا کہنے کے بجائے ان کا اصل مدعا اور اعتراض سمجھنے کی کوشش کریں اور مدلل طریقے سے اس کا جواب دیں۔ اگر کسی معاملے میں واضح ہو جائے کہ غلطی ہمارے ہی فہم دین میں ہے تو اپنے تعصب کا اسیر ہونے کے بجائے غلطی کو تسلیم کریں اور اس صاحب کی رائے کو سنیں جس کی بات قرآن و سنت سے زیادہ قریب ہے۔ اس دور میں یہی وہ ناصحانہ مزاج ہے جس کی کسی داعی کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ یہ مزاج جس روز مومنین میں پیدا ہو گیا، اسلام پوری دنیا میں پھیل جائے گا کیونکہ آج کا انسان ہمیشہ سے بڑھ کر سچائی کی تلاش میں بھٹک رہا ہے۔

دین سیکھنے میں شرم نہ کیجیے

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ وَالنَّاسُ مَعَهُ إِذْ أَقْبَلَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ فَأَقْبَلَ اثْنَانِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَهَبَ وَاحِدٌ قَالَ فَوَقَفَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَرَأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا وَأَمَّا الْآخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ وَأَمَّا الثَّالِثُ فَأَدْبَرَ ذَاهِبًا فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنْ النَّفَرِ الثَّلَاثَةِ أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللَّهِ فَآوَاهُ اللَّهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَاسْتَحْيَى فَاسْتَحْيَى اللَّهُ مِنْهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَأَعْرَضَ فَأَعْرَضَ اللَّهُ عَنْهُ

ایک دن رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور لوگ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ تین اشخاص آئے تو (ان میں سے) دو رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ گئے اور ایک چلا گیا (ابو واقد) کہتے ہیں کہ وہ دونوں (کچھ دیر) رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑے رہے، پھر ان میں سے ایک نے حلقہ میں گنجائش دیکھی اور وہ وہاں بیٹھ گیا اور دوسرا سب سے پیچھے (جہاں) مجلس ختم ہوتی تھی وہاں بیٹھ گیا اور تیسرا واپس چلا گیا، پس جب رسول اللہ ﷺ نے (وعظ و نصیحت سے) فراغت پائی، تو صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا میں تمہیں ان تین آدمیوں کی حالت نہ بتاؤں کہ ان میں سے ایک نے اللہ کی طرف رجوع کیا اور اللہ نے اس کو جگہ دی اور دوسرا شرمایا تو اللہ نے (بھی) اس سے حیاء کی اور تیسرے نے منہ پھیرا تو اللہ نے (بھی) اس سے اعراض فرمایا۔ (صحیح البخاري، حدیث نمبر:24)

محمد مبشر نذیر

اسلام اور عصر حاضر کی تبدیلیاں (پارٹ 2)

انسانی نفسیات اور طرز فکر میں تبدیلی

موجودہ دور میں انسان کی نفسیات اور طرز فکر میں قدیم دور کے انسان کے زمانے میں بہت سی غیر معمولی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ ان میں سے اہم یہ ہیں:

- عقل کے استعمال میں اضافہ
- توہم پرستی میں کمی
- قدیم فلسفے کا خاتمہ اور سائنسی طرز فکر

ان تبدیلیوں کی تفصیل یہ ہے۔

عقل کے استعمال میں اضافہ

قدیم دور کا انسان عقل کو کم ہی استعمال کیا کرتا تھا۔ عقل کا استعمال صرف غیر معمولی ذہین افراد کیا کرتے اور وہ بھی بہت سے معاملات میں عقل کو محدود سمجھتے ہوئے اس کے استعمال سے گریز کرتے۔ اس کی واضح مثال مذہب کا میدان ہے۔ مذہبی معاملات میں یہ فرض کر لیا گیا کہ اللہ اس دنیا کو بہت سے نائبین کی مدد سے چلا رہا ہے جو بذات خود خدائی صفات کے حامل ہیں۔ ان نائبین کے بارے میں بہت سے قصے کہانیاں وضع کی گئیں اور انہیں دیوی دیوتاؤں کا مقام دے کر ان کی پرستش شروع کر دی گئی۔

یہودی، عیسائی اور مسلمان قوموں کے ہاں انبیاء کرام کی طویل تاریخ موجود ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام نے اپنے پیروکاروں کو عقل استعمال کرنے کی تلقین کی۔ قرآن مجید بار بار عقل کو استعمال کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے پیروکاروں کی ابتدائی تاریخ میں ہر معاملے میں عقل کا واضح استعمال نظر آتا ہے۔

جب ان پیروکاروں کی بعد کی نسلیں دوسری اقوام کے فلسفے اور تصورات سے متاثر ہوئیں تو ان کے ہاں عقل ایک دوسرے درجے کی چیز بن کر رہ گئی اور اس کا استعمال برا سمجھا جانے لگا۔ بالخصوص مسلمانوں کے ہاں تنقید ایک شجر ممنوعہ قرار پایا اور تقلید کو ایک بڑی قدر کے طور پر اختیار کر لیا گیا۔ یہ رویہ صرف مذہبی معاملات تک ہی محدود نہ رہا بلکہ دنیاوی معاملات

میں بھی یہی روش اختیار کی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ مسلمان دوسری اقوام کے مقابلے میں پیچھے ہوتے چلے گئے۔

دوسری طرف اہل مغرب نے رینی ساں اور ریفارمیشن کی تحریکوں کے نتیجے میں عقلی طرز فکر کو اختیار کر لیا۔ انہوں نے زندگی کے تمام میدانوں میں تقلید کی بجائے تحقیق کا رویہ اپنایا۔ کسی بھی رائے کو محض کسی بہت بڑے بزرگ یا عالم کی رائے ہونے کے سبب ماننے کی بجائے اس کی چھان پھٹک اور دوسری آرا سے اس کے تقابل کا طریقہ اختیار کیا۔ نیوٹن نے ارسطو اور آئن اسٹائن نے نیوٹن سے اختلاف رائے کیا جس کے نتیجے میں ان کے ہاں ترقی ہوتی چلی گئی اور وہ علمی میدان میں آگے نکلتے چلے گئے۔

جدید دور میں اہل مغرب نے جہاں مسلمانوں کو اور بہت سے میدانوں میں متاثر کیا ہے وہاں ان کی یہ تبدیلی بھی مسلمانوں کے ہاں آ رہی ہے۔ اب مسلمانوں کے ہاں بھی سوچنا سمجھنا، غور و فکر کرنا، سابق آراء اور تصورات کو تنقیدی نقطہ نظر سے دیکھنا شروع کر دیا ہے اور مذہب سمیت ہر معاملے میں ان کے ہاں عقل کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے۔ اگر ہم صرف برصغیر کے مسلمانوں کی سو سالہ فکری تاریخ کا جائزہ لیں تو یہ معلوم ہو گا کہ ان کے اہل علم و دانش میں عقل کو استعمال کرنے والوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

عقل کے استعمال کے نتیجے ہی میں انسان شرک کے تصور سے آزاد ہوا۔ اس کے علاوہ قدیم انسان اپنے جیسے دوسرے انسانوں کو دیوی دیوتا، ان کا اوتار یا پھر غیر معمولی صفات کا حامل سمجھ کر ان کی ظاہری یا باطنی پرستش کرتا رہا۔ جدید انسان عقل کے استعمال سے آہستہ آہستہ ان پابندیوں سے آزاد ہو رہا ہے۔

بعض لوگ متصوفانہ تعلیمات کے زیر اثر عقل کے استعمال کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کے مقابلے پر عشق و محبت کو کھڑا کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس شعر سے یہ بات عیاں ہو رہی ہے:

بے خطر آتش نمرود میں کود پڑا عشق
عقل تھی محو تماشائے لب بام ابھی

اس شعر میں عقل کی تحقیر کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا آگ میں کودنے کا فیصلہ عشق کی بنیاد پر تھا اور عقل اس سے منع کر رہی تھی۔ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام اپنے شوق سے آگ میں نہ کودے تھے بلکہ انہیں جبراً حق کی آواز بلند کرنے کے سبب آگ میں پھینکا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کے حکم کے مطابق عمل کرنا اگرچہ بظاہر انسان کے لئے شارٹ ٹرم مسائل کا باعث بھی ہو

تب بھی انسان کی اصل زندگی یعنی آخرت میں یہ آرام کا باعث ہو گا۔ یہ بات بجائے خود اتنی معقول ہے کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں سیدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا آگ میں کودنے کا واقعہ سراسر عقلی و منطقی تھا کیونکہ وہ اللہ تعالی کے حکم کی پیروی کر رہے تھے اور اس کے دنیاوی و اخروی نتائج سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ دقتِ نظر سے اگر دیکھا جائے تو عقل و محبت میں کوئی تضاد نہیں۔ یہ تضاد بالعموم شاعرانہ تک بندیوں کے نتیجے میں مصنوعی طور پر پیدا کیا گیا ہے ورنہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

جس طرح عقل کے استعمال سے اہل مغرب نے انسانیت کے فائدے کے لئے بہت سی چیزیں ایجاد کیں، اسی طرح ہم بھی عقل کے استعمال ہی کے ذریعے ہی نہ صرف دنیا بلکہ دینی معاملات میں ترقی کی منازل طے کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید کی پوری دعوت بلا سوچے سمجھے مان لینے کی بجائے علم و عقل کے استعمال کے ذریعے اللہ اور اس کے رسول کو پہچان لینے کی دعوت ہے۔ یقین نہ آئے تو انہی آیات پر غور کر لیجیے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لآيَاتٍ لأُولِي الأَلْبَابِ. الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (آل عمران:191-190)

بے شک آسمان و زمین کی تخلیق، اور رات و دن کے باری باری آنے میں ان اہل عقل کے لئے بہت سے نشانیاں ہیں جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں (اور کہتے ہیں)، اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ فضول اور بے مقصد نہیں بنایا۔ تو پاک ہے (اس سے کہ تو فضول کام کرے)۔ ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمّاً وَعُمْيَاناً۔ (الفرقان:73)

جب انہیں ان کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں گرتے (بلکہ غور و فکر کر کے نصیحت قبول کرتے ہیں۔)

عقل کے استعمال کے ذریعے انسان نہ صرف اپنے رب کو پہچان کر ہدایت قبول کرتا ہے بلکہ وہ ان طالع آزما سیاسی و مذہبی راہنماؤں کی چال بازیوں سے بھی بچ جاتا ہے جو اسے بے خبر رکھ کر اپنا ذہنی غلام بنائے رکھنا چاہتے ہیں۔

ہمارے نزدیک دور جدید عقل کے استعمال میں اضافہ ایک نہایت ہی مثبت تبدیلی ہے اور اس معاملے میں ہم اپنے آباء و اجداد کے مقابلے میں نسبتاً بہتر مقام پر کھڑے ہیں۔

توہم پرستی میں کمی

قدیم دور میں عوام الناس تو کجا، خواص میں بھی توہم پرستی عام تھی۔ ایسے واقعات جن میں دور کا بھی کوئی تعلق نہ ہوا کرتا تھا، لوگ اپنے توہمات کے ذریعے ان میں تعلق قائم کر لیا کرتے تھے۔ ہم اگر اپنے قدیم دیہاتی معاشرے کا جائزہ لیں تو ان توہمات کی طویل فہرست تیار کی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر بلی کے راستہ کاٹنے سے آفات اور سورج و چاند گرہن سے بیماریوں کو وابستہ کیا جاتا ہے۔ بیٹھ کر ٹانگیں ہلانے اور ٹوٹا ہوا آئینہ دیکھنے کو منحوس سمجھا جاتا ہے۔ اس کی سب سے دردناک مثال یہ ہے کہ اگر شادی کے فوراً بعد کوئی سانحہ رونما ہو جائے تو اس کا قصور وار لڑکی کو ٹھہرا کر اسے منحوس قرار دیا جاتا ہے۔

دین اسلام چونکہ توہم پرستی کو پسند نہیں کرتا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے اس کی مذمت فرمائی اور عربوں کے توہم پرستانہ خیالات پر ضرب لگائی۔ آپ کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے موقع پر اتفاقاً سورج گرہن ہو گیا تو لوگوں نے یہ خیال کیا کہ شاید یہ آپ کے صاحبزادے کی وفات کے باعث ہوا ہے۔ نبی ﷺ نے اس بات کی سختی سے تردید فرمائی۔

جب مسلمانوں کو دوسری اقوام سے معاملہ پیش آیا تو انہوں نے ان کی دوسری بہت سی چیزوں کے ساتھ ساتھ ان کے توہمات کو بھی اختیار کر لیا۔ ہمارے دیہاتی اور شہری معاشروں میں اس کی مثالیں بکثرت دیکھی جا سکتی ہیں۔

دور جدید میں جو تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں، ان کے باعث توہم پرستی میں کافی کمی آ چکی ہے۔ اگرچہ اہل مغرب کے ہاں بھی بہت سے توہم پرست لوگ پائے جاتے ہیں لیکن ان کی عمومی سوچ توہم پرستی سے بڑی حد تک پاک ہو چکی ہے۔ یہی اثرات اب مسلم دنیا میں آ رہے ہیں اور مسلمانوں کی جدید تعلیم یافتہ نسل اپنے والدین کی نسبت کم توہم پرست ہوتی جا رہی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بھی ایک نہایت ہی مثبت تبدیلی ہے اور ہم پر لازم ہے کہ اس کے تسلسل کو باقی رکھا جائے۔

قدیم فلسفے کا خاتمہ اور سائنسی طرز فکر

یونان کے قدیم فلسفے نے مسلمانوں کو بہت متاثر کیا۔ اس فلسفے کا طریق کار یہ تھا کہ چند تصورات (Postulates) کو بنیادی طور پر فرض کر کے انہیں مقدس اور ناقابل تنقید قرار دیا جاتا۔ اس کے بعد انہی تصورات کی بنیاد پر فلسفے کی عظیم الشان عمارت تعمیر کی جاتی۔ اس کی ایک مثال "ہیولی" کا تصور ہے جسے درس نظامی کے نصاب میں فلسفے کی ابتدائی کتب میں بیان کیا گیا ہے اور اس کی بنیاد پر فلسفے کی ایک عظیم الشان عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ فلسفے میں مابعد الطبیعات (Metaphysics) کو غیر معمولی حیثیت حاصل ہو گئی۔

دور جدید میں سائنسی طرز فکر نے مابعد الطبیعاتی فلسفے کی اہمیت کم کر کے عملی زندگی کے مسائل کی اہمیت بڑھا دی

ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ فلسفے کے بنیادی تصورات (Postulates) غلط اور بے بنیاد ثابت ہوئے۔ جب کسی عمارت کی بنیاد ہی کو ڈھا دیا جائے تو وہ قائم نہیں رہ سکتی۔ دور جدید میں سائنس کا موضوع یہ نہیں رہا کہ اللہ کی صفات کیا ہیں؟ اس کے لئے زیادہ اہم مسئلہ یہ ہے کہ زندگی بسر کرنے کے لئے توانائی حاصل کیسے کی جائے تاکہ دنیا میں توانائی کے بحران پر قابو پایا جا سکے؟ سیاسی نظام کو فلاحی ریاست میں کیونکر بدلا جائے؟ عدل و انصاف پر مبنی معاشی نظام کیسے قائم کیا جائے؟

قدیم فلسفیانہ طریقے میں ذہن کے تخیل کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ چند باتوں کو فرض کر کے ان سے فروعات نکال کر فلسفہ بنا لیا جاتا۔ جدید سائنسی طرز فکر نے مشاہدے کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ اب چیزوں کو ذہن کی تخیل کی بنیاد پر نہیں بلکہ محسوس مشاہدے کی بنیاد پر پرکھا اور مانا جاتا ہے۔ ایک صاحب علم نے اسے ایک مثال کے ذریعے یوں بیان کیا ہے:

> سائنسی ذہن کا مطلب حقائق کو اہمیت دینے والا ذہن ہے۔ سائنس کے انقلاب نے موجودہ زمانے میں انسانی فکر میں جو تبدیلی کی ہے وہ یہ ہے کہ جو بات کہی جائے تجربہ اور مشاہدہ کی بنیاد پر کہی جائے نہ کہ مفروضات اور قیاسات کی بنیاد پر۔ موجودہ زمانہ میں جو انقلاب آیا ہے وہ حقائق فطرت کے مطالعے سے آیا ہے۔ بائیسکل سے لے کر ہوائی جہاز تک اور بجلی کے لیمپ سے لے کر بڑے بڑے صنعتی کارخانوں تک ہر چیز فطری حقائق کی بنیاد پر چل رہی ہے۔ یہی انقلاب موجودہ زمانے کا غالب انقلاب ہے۔ اس نے زندگی کے تمام پہلوؤں پر اثر ڈالا ہے۔ اسی نے موجودہ زمانہ میں اسلوب کلام کو بھی بدل دیا ہے۔ انسان ہزاروں سال سے پر اسرار عملیات کی بنیاد پر لوہے کو سونا بنانے کی کوشش کرتا رہا مگر وہ کامیاب نہیں ہوا۔ اب حقائق فطرت کو دریافت کر کے وہ لوہے کو مشینوں میں تبدیل کر رہا ہے جو سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہیں۔ ایسی حالت میں بالکل قدرتی بات ہے کہ آج کا انسان حقائق فطرت کی بنیاد پر ثابت ہونے والی بات کو سب سے زیادہ باوزن سمجھے۔ آج کے انسان نے جو ترقیاں کی ہیں وہ حقائق کی بنیاد پر کی ہیں اس لئے آج کا انسان انہی باتوں کو اہمیت دیتا ہے جو حقائق کے زور پر ثابت ہوتا ہو۔
>
> قدیم اور جدید ذہن کے فرق کو ایک سادہ مثال سے سمجھیے۔ پچاس سال پہلے اطباء کے یہاں اس قسم کے الفاظ بے حد پر کشش سمجھے جاتے تھے ----- خاندانی نسخہ، پشتینی علاج، شاہی ترکیب سے بنی ہوئی دوا۔ کسی دوا یا منجن کے بارے میں یہ الفاظ بولنے کا مطلب یہ تھا کہ اس میں پر اسرار خواص چھپے ہوئے ہیں۔ مگر آج ان الفاظ کے اندر کوئی قیمت نہیں۔ آج کا ڈاکٹر کسی دوا یا کسی ٹوتھ پیسٹ کی اہمیت کو بتانے کے لئے "قدیمی نسخہ" کی اصطلاح نہیں بولے گا۔ وہ کہے گا کہ یہ سائنسی طریقوں سے بنایا گیا ہے۔ سائنسی طریقہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کی افادیت کو معلوم تجربات و مشاہدات کے ذریعہ جانا جا چکا ہے۔ حتی کہ اگر کوئی چاہے تو ان تجربات کو دہرا کر دوبارہ ان کے نتائج کی صحت کی تصدیق کر سکتا ہے۔ جب کہ خاندانی علاج کا مطلب یہ تھا کہ اس کے طبی خواص ہر ایک کے لئے قابل دریافت نہیں ہیں۔ دوا اور مرض کے درمیان تعلق کو متعین تجربات کے ذریعے معلوم نہیں کیا گیا ہے۔ اس کی اہمیت بس یہ ہے کہ وہ قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ آج کا انسان اسی منجن کو استعمال کرنا پسند کرتا ہے جو سائنسی، بالفاظ دیگر، فطری حقیقتوں کی پیروی کرتے ہوئے بنا ہو۔ اسی طرح وہ صرف ان افکار کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے جن کا برحق ہونا فطری حقائق کے ذریعہ معلوم ہوا ہو۔
>
> (وحید الدین خان، احیائے اسلام ص 72)

دور حاضر کی یہ تبدیلی بھی بہت مثبت ہے۔ جدید سائنس اس بات کو مان چکی ہے کہ انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی خیالی تک بندیوں سے اللہ کی پہچان کر سکے۔ اس نے یہ میدان مذہب کے لئے چھوڑ دیا ہے اور خود مشاہدے اور تجربے کے ذریعے ان حقائق کی تلاش میں سرگرداں ہے جن کا تعلق محسوس واقعات سے ہے۔ اس تبدیلی کے مثبت اثرات ہم واضح طور پر اپنی زندگیوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ اب ہمارے ذہین ترین افراد کی دانش الٹے سیدھے فلسفوں کی گتھیاں سلجھانے کی بجائے زندگی کے عملی مسائل کے حل میں صرف ہو رہی ہیں جس سے پوری انسانیت کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

خلاصہ بحث

انسان کے طرز فکر میں رونما ہونے والی ان تبدیلیوں کا جائزہ لے کر ہم بڑے اطمینان سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وقت کے ساتھ ساتھ انسان کے طرز فکر میں بہت سی غیر معمولی تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں جس سے جہاں تو چند نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں لیکن اس سے مثبت سمت میں بڑھنے کے نئے مواقع بھی میسر آئے ہیں۔

جاری ہے۔۔۔

فلاح پانے والے مومنین کی صفات

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (١) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (٢) وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ (٣) وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ (٤) وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ (٥) إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ (٦) فَمَنِ ابْتَغَى وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْعَادُونَ (٧) وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ (٨) وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ (٩) أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ (١٠) الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ [المؤمنون: 1 - 11]

یقیناً فلاح پائی ایمان والوں نے۔ وہ جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرنے والے ہوتے ہیں۔ جو بے ہودہ باتوں سے دور رہتے ہیں اور جو زکوۃ ادا کرنے والے اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے سوا کہ (اُن کے بارے میں) ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ ہاں، جو ان کے علاوہ چاہیں تو وہی ہیں جو حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ وہی مالک ہونے والے ہیں۔ جو فردوس کے مالک ہوں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

رفعت نواب مصعب

قرآن مجید کی تفہیم

تعریف، موضوع، شرعی اہمیت اور تفہیم کے اصول و مبادی

حجیتِ قرآن، قرآن کی روشنی میں

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا

(بنی اسرائیل:9)

بے شک یہ قرآن راہنمائی کرتا ہے اس راستے کی جو سب سے زیادہ سیدھا ہے، اور یہ خوشخبری سناتا ہے ان ایمانداروں کو جو نیک کام کرتے ہیں، کہ ان کے لئے ایک بڑا ہی عظیم الشان اجر (وثواب) ہے۔

حجیتِ قرآن، احادیث کی روشنی میں

عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔۔۔ وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ

(صحیح المسلم، رقم الحدیث 223)

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔۔۔۔۔۔ قرآن تیرے لئے حجت ہو گا یا تیرے خلاف (حجت) ہو گا۔

أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ الْغَدَ حِينَ بَايَعَ الْمُسْلِمُونَ أَبَا بَكْرٍ وَاسْتَوَى عَلَى مِنْبَرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشَهَّدَ قَبْلَ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ أَمَّا بَعْدُ فَاخْتَارَ اللَّهُ لِرَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي عِنْدَهُ عَلَى الَّذِي عِنْدَكُمْ وَهَذَا الْكِتَابُ الَّذِي هَدَى اللَّهُ بِهِ رَسُولَكُمْ فَخُذُوا بِهِ تَهْتَدُوا وَإِنَّمَا هَدَى اللَّهُ بِهِ رَسُولَهُ۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 7269)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں جس دن مسلمانوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اس کے دوسرے دن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے منبر پر بیٹھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پہلے خطبہ پڑھا اور کہا کہ اما بعد، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جو تمہارے پاس ہے اس کے مقابلہ میں وہ چیز پسند کی جو اُس کے پاس ہے اور یہ وہ کتاب ہے، جس کے ذریعہ اللہ نے تمہارے رسول ﷺ کی ہدایت کی، اس لئے اس کو پکڑو تو ہدایت پاؤ گے اور اللہ نے اسی کے ذریعے اپنے رسول کو ہدایت دی۔

نبی کریم ﷺ کے فیصلے بھی قرآن کے مطابق ہی ہوتے تھے

عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللَّهِ۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث 7278)

عبید اللہ ،ابوہریرہ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی ﷺ کے پاس تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کر دوں گا۔

قرآن مجید کی اصطلاحی تعریف

قرآن مجید دین اسلام کی بنیادی کتاب ہے۔ یہ کتاب نوعِ انسانی کے لیے اللہ کی مدلل کتابِ ہدایت اور آخری پیغامِ نصیحت ہے، جو اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ پر نازل کی گئی۔ اپنی اہمیت کے اعتبار سے قانونِ اسلامی کے تعین میں اسے اولین اور اساسی ماخذ ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ دین اسلام کا کوئی بھی پیروکار یا دینیات کا کوئی طالب علم اس بات سے ناواقف نہیں کہ قرآن مجید کسے کہتے ہیں۔ لفظ "قرآن" اس سے مبراء ہے کہ اس کی کوئی تعریف کی جائے۔ تاہم ہر علم میں چونکہ یہ بات لازم ہے کہ اس کے متعلقات کی کوئی متعین تعریف کی جائے ،اس لیے علمائے اصول بھی اس کی تعریف کی جسارت کرتے ہیں تاکہ شریعت کے اس اوّلین اور بنیادی ماخذ کے بارے میں کوئی ابہام باقی نہ رہے۔ اہل علم کی جانب سے قرآن کی مختلف پہلوؤں سے جو تعریفات منقول ہوئی ہیں انھیں جامع انداز میں یوں پیش کیا جاسکتا ہے۔

اَلْقُرْآنُ هُوَ كَلَامُ اللهِ ، اَلْمُنَزَّلُ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ، اَلْمَكْتُوْبُ فِي الْمَصْحَفِ، اَلْمَنْقُوْلُ عَنْهُ بِالتَّوَاتِرِ بِغَيْرِ شَكٍّ۔

قرآن وہ کلام الٰہی ہے جو عربی زبان میں محمد ﷺ پر نازل ہوا، جو مصحف میں لکھا ہوا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا کسی شبہ کے متواتر منقول ہے۔

اس تعریف میں چار خصائص (Qualities) بیان کیے گئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر نزول: بیان کردہ تعریف میں یہ قید کہ قرآن سے مراد وہ کلام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، سے تمام غیر الہامی کتب اور وہ تمام سابقہ الہامی کتب جو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہوئیں قرآن مجید کی تعریف سے خارج ہو گئیں۔ نیز اس میں تنزیل کی قید سے انسانی کلام، تفاسیر اور احادیث بھی قران مجید کی تعریف سے خارج ہو گئیں۔

عربی زبان: اس سے یہ واضح ہوا کہ ترجمۂ قرآن کی حیثیت قرآن کی نہیں ہے اور نہ ہی آپ اسے عین قرآن مجید کہہ سکتے ہیں۔ البتہ یہ تراجم قرآن مجید کے مدعا کو بیان کرنے کی ایک انسانی کوشش ضرور ہے، جس سے عوام الناس کو فائدہ اٹھانا چاہیے۔

مصاحف میں لکھا ہوا: اس قید سے تمام منسوخ التلاوت آیات اور احادیث قدسی بھی قران کی تعریف سے خارج ہو گئیں اور یہ بات از خود واضح ہو گئی کہ سورۃ الفاتحہ سے سورۃ الناس تک قرآن ہے۔

بغیر کسی شبہ کے متواتر منقول: اور بلا کسی شبہ کے متواتر نقل ہونے کی شرط سے وہ تمام قراَتیں بھی قران کی تعریف سے خارج ہو گئیں جو متواتر منقول نہیں ہیں۔

اس تعریف کے بعد یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ کیا قرآن مجید ہے اور کیا قرآن مجید نہیں ہے۔ البتہ اضافی طور ایک احتمال یہ رہتا ہے کہ قرآن صرف نظم کا نام ہے؟ معنی کا نام ہے؟ یا قرآن نظم و معنی دونوں کے مجموعے سے عبارت ہے ؟۔ جمہور اہل علم کا یہ موقف ہے کہ قرآن مجید نظم اور معنی دونوں سے عبارت ہے۔ نظم سے مراد عبارات یعنی الفاظ ہوتے ہیں۔ اہلِ علم قرآن مجید کے لیے نظم کے بجائے "الفاظ" اس لیے نہیں لکھتے کہ الفاظ کے معنی "پھینکنے" کے ہیں جو کہ کتابِ الٰہی کی شان کے خلاف ہے جبکہ نظم کے معنی موتی پرونے کے ہیں۔

قرآن مجید کی شرعی اہمیت

قرآن مجید شریعت اسلامی کا اولین ماخذ اور سرچشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس کلام کو "کتابِ مبین" بتلایا ہے جس کا مقصد لوگوں کے سامنے اللہ کا اصلی دین پیش کرنا ہے۔ قرآن مجید کی اس صفت کا بدیہی تقاضا ہے کہ دین کے تمام مسلّمات اپنی اصل کے اعتبار سے اس میں واضح ہوں۔ دین کا کوئی ایسا اصول نہیں ہے جس کی اصل قرآن مجید میں موجود نہ ہو اور سنت نے اس کی وضاحت نہ کر دی ہو۔ لہٰذا ایک جانب اگر کوئی عقیدہ قرآن مجید میں صریحاً بیان نہیں ہوا تو اسے دین کے مسلمات کے طور پر پیش کرنے کی جسارت نہیں کی جا سکتی، تو دوسری جانب جو امور قرآن مجید میں بالکل وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں ان کا انکار بھی اللہ کے ہاں قابل گرفت عمل ہے۔

قرآن مجید کا موضوع اور مضامین

بنیادی طور پر قرآن مجید کا موضوع انسان کو اس کے مقصدِ تخلیق اور اللہ کی اسکیم سے آگاہ کرنا ہے۔ اللہ کون ہے، اس کی صفات اور اختیارات کیا کیا ہیں، اس نے یہ کائنات اور مخلوق کیوں بنائی، اس کائنات میں ہمارا مقصد تخلیق کیا ہے اور وہ ہم سے کیا

چاہتا ہے۔ یہ وہ سوال ہیں جس کے جواب پر ہی انسان کی ابدی اور حقیقی فلاح کا انحصار ہے۔ قرآن کا موضوع دراصل اسی سوال کا جواب ہے۔ اسی بنیادی مقصد کے لیے قرآن مجید میں کئی مواعظ و قصص، دلائل و براہین، ایمان و اخلاق کی تعلیمات اور دیگر احکام و قوانین بیان ہوئے ہیں۔ مختلف اہل علم نے قرآن میں موجود مضامین کو سمجھنے کی غرض سے تقسیم کیا ہے جس میں سے ایک معروف تقسیم یہ ہے۔

1. عِلْمُ الْاَحْکَامِ: یعنی اوامر و نواہی، عبادات و معاملات کا بیان
2. عِلْمُ الْمَخَاصَمَاتِ: یعنی گمراہیاں اور ان کا رد
3. عِلْمُ التَّذْکِیرِ بِاٰلَآءِ اللهِ: یعنی اللہ کی صفات اور اس کی نعمتوں کا تذکرہ کر کے انسانیت کو اللہ کی عبادت اور شکر ادا کرنے کی تلقین کرنا۔
4. عِلْمُ التَّذْکِیرِ بِاَیَّامِ اللهِ: گذشتہ قوموں اور ان کے پیغمبروں کے قصص و واقعات بیان کر کے عبرت اور سبق دلانا۔
5. عِلْمُ التَّذْکِیرِ بِالْمَوْتِ وَمَا بَعْدَ الْمَوتِ: مرنے کے بعد کی زندگی اور موت کے بعد پیش آنے والے معاملات یعنی آخرت، جنت اور جہنم کی کیفیات کو بیان کر کے انسانیت کو حق کی جانب متوجہ کرنا۔

آسان تفہیم کے لئے ہم مزید اختصار کے ساتھ قرآن کے موضوع کو پانچ آسان قسموں میں بیان کر سکتے ہیں۔

1. **ایمانیات:** توحید، رسالت، آخرت، ملائکہ، تقدیر اور بعث بعد الموت وغیرہ
2. **اعمال صالح:** اخلاق و آداب، سچائی، پاک دامنی، حسن سلوک، وعدہ وفائی، امانت داری وغیرہ
3. **عبادات:** صوم، صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ اور دیگر مراسم عبودیت۔
4. **قصص:** قرآن مجید کا ایک بڑا حصہ انسان کی نصیحت کے لیے قصص و واقعات پر مشتمل ہے۔ ان میں ایمان اور اخلاقی اقدار کے علاوہ اہم ترین چیز سزا و جزا ہے جس کے متعلق سابقہ اقوام میں اللہ کا یہ قانون رہا ہے کہ رسولوں کا انکار کرنے والوں پر دنیا میں ہی سزا و جزا برپا کر دی جائے تا کہ آئندہ لوگوں کے لیے نصیحت رہے۔
5. **معاشرتی قوانین:** عائلی قوانین، حدود و تعزیزات، خرید و فروخت، معیشت و سیاست کے اصول وغیرہ

غور کریں تو ان پانچوں تقسیم کا مقصد یہی ہے کہ کس طرح انسان اپنے مقصد تخلیق کو سمجھے اور اپنے خالق کی ذات وصفات کو پہچانے اور اس کی جانب سے نازل ہونے والی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر اپنے نفس کی آلائشوں سے پاک ہو اور آخرت میں اللہ کے حضور پیش ہو کر ابدی کامیابی کا اعلان سنے۔

قرآن کا موضوع دنیاوی علوم سکھانا نہیں ہے

قرآن مجید کے پیغام کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ قرآن صرف انسان کے ایمانی واخلاقی تزکیہ اور دین کے حقائق و معارف پر بحث کرتا ہے۔ یہ کتاب کوئی انسائیکلوپیڈیا نہیں ہے جس میں کمسٹری، فزکس یا دیگر علوم بھی شامل ہوں۔ البتہ قرآن میں جہاں انسان اور اللہ کے مابین تعلق اور کائنات پر غور و فکر کا ذکر آیا ہے، وہیں ضمنی طور پر قرآن کائنات کے بعض حقائق کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جس کا تعلق فزکس، میڈیکل سائنس، کمسٹری یا دیگر سائنسی علوم سے ہے، ضمنی طور پر بیان کردہ ان حقائق پر تحقیق و تجربہ بھی کیا جاسکتا ہے مگر اسے قرآن مجید کا اصل موضوع قرار دینا کسی بھی طور پر درست نہیں، نہ ہی اللہ کے رسول ﷺ نے کبھی قرآن کو اس حیثیت سے کبھی پیش فرمایا تھا۔

جاری ہے۔۔

مصادر و مراجع: 1۔ قرآن مجید۔ 2۔ صحیح البخاری۔ 3۔ الفوز لکبیر۔ 4۔ المبشر میگزین 5۔ دیگر کتبِ اصول

حقوق و فرائض کی تفصیل

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا

[النساء: 36]

اور تم سب اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھیراؤ، والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور قرابت مندوں، یتیموں، مسکینوں اور رشتہ دار پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور ہم نشینوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آؤ۔ (اِسی طرح) مسافروں اور لونڈی غلاموں کے ساتھ جو تمہارے قبضے میں ہوں۔ اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اتراتے اور اپنی بڑائی پر فخر کرتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد عقیل

غیبت۔ایک تربیتی مضمون۔دوسرا حصہ

غیبت سے متعلق پوچھے جانے والے سوالات

پچھلے شمارے میں آپ کے ساتھ غیبت کی تعریف،اس کے اطلاق کی شرائط،غیبت کے مختلف طریقے،اس کے اسباب و محرکات اور اس سے بچاؤ کی تدابیر پر سیر حاصل گفتگو شیئر کی گئی تھی۔امید ہے کہ آپ غیبت کی ماہیت سمجھ چکے ہوں گے۔غیبت کے موضوع پر پوچھے جانے والے کچھ سوالات کے جوابات بھی حاضر خدمت ہیں تاکہ اس کا ہر پہلو واضح ہو سکے۔

سوال ۱: کیا غیبت سننا بھی گناہ ہے ؟

جواب: اگر غیبت سننے والا جان بوجھ کر غیبت کو سن رہا، اس سے لطف اندوز ہو رہا اور کرید کرید کر سامنے والے کو اکسا رہا ہے تو یہ گناہ ہے۔ لیکن اگر وہ بحالت مجبوری یہ کام کر رہا ہے تو قابل گرفت نہیں۔

سوال ۲ : جب کسی کی غیبت کی جارہی ہو تو ہمیں کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے ؟ کیا غیبت کرنے والے کو سختی سے روک دیا جائے یا وہاں سے اٹھ جایا جائے ؟۔

جواب: اس سوال کا کوئی دوٹوک جواب نہیں۔ اصولی ہدایت یہ ہے کہ غیبت کرنے والے کو اس عمل سے روکنے اور خود گناہ میں ملوث ہونے سے بچنا چاہئے لیکن اس کے لئے حکمت لازمی ہے۔ بعض اوقات غیبت کرنے والے کو براہ راست سختی سے ٹوک دینے پر بات بگڑ جاتی اور لڑائی جھگڑے کی نوبت پیدا ہو جاتی ہے۔ نیز اس طرح منع کرنے سے غیبت کرنے والے کی انا مجروح ہوتی ہے اور وہ اپنی اصلاح کی بجائے رد عمل کے طور پر مزید اس عمل میں ملوث ہو سکتا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ ہوشیاری سے موضوع کو بدل دیا جائے۔ دوسرا حل یہ ہے کہ جس کی غیبت کی جارہی ہو اس کا مدلل دفاع کیا جائے اور اسکی اچھائیاں بیان کی جائیں۔ یا پھر غیبت کرنے والے شخص کو باڈی لینگویج سے توجہ دلائی جائے کہ غلط کام کر رہا ہے اور اگر پھر بھی وہ باز نہ آئے تو کسی بہانے سے وہاں سے اٹھ جایا جائے۔ البتہ مناسب موقع پر غیبت کرنے والے شخص کو حکمت کے ساتھ سمجھایا جائے تاکہ وہ اس عمل سے باز آجائے۔

سوال ۳: غیبت ہونے کے لئے پہلی شرط کیوں ضروری ہے کہ غیبت پیٹھ پیچھے ہی کی جائے ؟۔

جواب: غیبت کا اصل لفظ "غیب" سے نکلا ہے جس کا مطلب پوشیدہ ہونا ہے۔ چنانچہ غیبت کی اولین شرط یہی ہے کہ یہ پیٹھ پیچھے کی جائے۔

سوال ۴: قرآن میں غیبت کرنے کے عمل کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے؟
جواب: قرآن کی اس تشبیہ میں بہت گہرائی ہے ذرا غور کریں کہ اگر ایک زندہ شخص پر حملہ کیا جائے تو وہ اپنے دفاع میں ہاتھ پاؤں ہلاتا اور حملہ آور سے نبٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن ایک مردہ اس صلاحیت سے محروم ہوتا ہے۔ چنانچہ مردہ کے جسم کو ضرب ماری جائے، اس کا گوشت نوچا جائے یا کوئی اور نقصان پہنچایا جائے وہ اپنے دفاع میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ بالکل اسی طرح جب کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کی برائی کی جاتی اور اس کی عزت پر حملہ کیا جاتا ہے تو وہ اس برائی کا دفاع کرنے اور اس کا جواب دینے کے لئے موجود نہیں ہوتا۔ نتیجہ کے طور پر اس غائب شخص کی عزت کو تار تار کیا جاتا، اس کی دھجیاں بکھیری جاتیں اور اس کی آبرو کو بھنبوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ عمل کسی مردہ کی لاش کو نوچ نوچ کر کھانے سے مشابہ ہے۔ اسی بنا پر غیبت کو قرآن نے مردہ بھائی کا گوشت کھانے تشبیہ دی ہے۔

سوال ۵: اگر ایک شخص گروپ میں اپنے بھائی کا مذاق اڑا رہا ہے جو کہ اس محفل میں موجود ہے تب تو یہ شرط پوری نہیں ہو گی۔ اس کو ہم کس کیٹگری میں شمار کریں۔
جواب: اگر آپ دنیاوی معاملات میں دیکھیں تو جرائم کی کیٹگری مختلف ہوتی ہے اور اسی کی مناسبت سے ان کی سزائیں ہوتی ہیں۔ غیبت اور بہتان ملتے جلتے گناہ ہیں لیکن مختلف۔ اسی لئے دونوں کی سزائیں مختلف ہیں۔ آپ نے جو کیس بیان کیا ہے اس میں بھائی کی موجودگی میں مذاق اڑانا غیبت نہیں کہلایا جا سکتا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس عمل کو کیا کہا جائے۔ تو غیبت نہیں بلکہ مذاق اڑانے کی کیٹگری اور ایذارسانی میں آئے گا اور یہ بھی اسی قبیل کا گناہ ہے جیسے غیبت بلکہ اس میں ایذارسانی بعض اوقات زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے اس کی شناعت بڑھ جاتی ہے۔

سوال ۶: اگر ایک شخص بدمزاج ہو اور وہ اپنے ماتحت کو اس کی غلطی کو غیر اخلاقی انداز میں بتاتا ہے۔ یہاں اس کو تکلیف بدرجہ ایک عام غیبت کے زیادہ ہوتی ہے۔ تو اسے کیوں غیبت میں شمار نہیں کیا جائے گا۔
جواب: یہاں بھی وہی ایذارسانی معاملہ ہے۔ ایذارسانی کی سزا اور وعید تو بعض اوقات غیبت سے بھی زیادہ بیان ہوئی ہے۔ جیسے حدیث میں آتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے زبان اور ہاتھ سے دیگر لوگ محفوظ نہ ہوں۔

سوال۷: آپ نے بیان کیا تھا کہ اگر یہ بات سمجھنے میں دشواری ہو رہی ہو کہ آیا یہ غیبت ہے یا نہیں تو اس بارے میں دل کا فتویٰ کافی ہے۔ لیکن انسان کا دل تو بعض اوقات جھوٹ بول دیتا اور مس گائیڈ کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس پر اعتبار کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

جواب: اس کا حل بہت سادہ ہے کہ ہمیں اگر اپنے آپ سے یا دل سے درست طریقے پر پوچھنا آجائے تو جواب کبھی غلط نہیں ملے گا۔ مثال کے طور پر احمد اپنے دوست اسلم کا موبائل کہیں پڑا ہوا دیکھتا ہے لیکن وہ موبائل واپس کرنے کی بجائے اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔ اگر وہ اپنے دل سے پوچھے کہ کیا جائے؟ تو ممکن ہے اس کا دل اسے یہ راہ سجھائے کہ رکھ لینا بہتر ہے۔ لیکن اگر وہ خود کو اسلم کی جگہ رکھ کر ایک لمحے کے لئے سوچے کہ اگر یہ سب اس کے ساتھ ہوتا تو کیا اسے اچھا لگتا یا وہ اسے ایک اچھائی مانتا؟ تو یقینی طور پر اس کا جواب نفی میں ہو گا۔ چنانچہ ہمیں بھی چاہئے کہ جب بھی غیبت کے تعین میں دشواری ہو تو خود کو دوسرے کی جگہ رکھ کر دل سے پوچھیں، جواب درست ملے گا۔

سوال۸: آپ نے غیبت کی شرائط میں بیان کیا کہ کی گئی برائی کی نوعیت ایسی ہو کہ اگر وہ شخص خود سن لے تو اسے برا لگے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس بیان کی گئی برائی کو برائی ہی نہ سمجھے تو کیا غیبت نہیں ہو گی؟ مثال کے طور پر ایک عورت اپنی پڑوسن سے کہتی ہے کہ وہ روبینہ ایک بے پردہ اور فیشن ایبل عورت ہے۔ تو یہ ممکن ہے کہ روبینہ کو یہ بات بری ہی نہ لگے کیونکہ اس کے نزدیک بے پردگی اور فیشن کرنا برائی ہی نہ ہو۔

جواب: غیبت کی یہ شرط کہ بیان کی گئی برائی کی نوعیت ایسی ہو کہ اگر وہ شخص خود سن لے تو اسے برا لگے۔ یہ شرط تو حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ اب جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے تو ممکن ہے روبینہ کو اس بات پر تو اعتراض نہ ہو کہ اسے بے پردہ اور فیشن ایبل کہا گیا ہے لیکن اسے یہ ضرور برا لگے گا کہ یہ بات اس کی برائی میں کہی گئی اور اس کا مقصد اس کی تذلیل ہے۔ چنانچہ اعتراض جملے پر نہیں بلکہ اس نیت اور انداز پر ہے جس کے تحت یہ ادا کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ غیبت ہی میں شمار ہو گا۔

سوال۹: میری ساس مجھے بہت تنگ کرتی ہے۔ میں صرف دل کی بھڑاس نکالنے اور ساس کو نیچا دکھانے کے لئے اس کی برائی اپنے شوہر سے کرتی ہوں۔ کیا یہ غیبت ہے؟ اور اگر میں صرف یہ بیان کروں کہ آج میری ساس نے میرے ساتھ کیا برا سلوک کیا اور اس کا مقصد اطلاع دینا ہو ساس کی تذلیل نہ ہو تو کیا یہ غیبت ہے؟

جواب: پہلا عمل تو غیبت ہے لیکن دوسرا نہیں۔

سوال۱۰: جوائنٹ فیملی سسٹم میں غیبت سے کس طرح بچا جا سکتا ہے؟

جواب: یہ بہت اچھا سوال ہے۔ اللہ نے یہ دنیا آزمائش کے لئے بنائی ہے اور ہر ایک کو اس کی استطاعت و صلاحیت کے حساب سے امتحان کا پرچہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ کوئی غربت سے آزمایا جارہا ہے تو کوئی معذوری سے۔ اب جو لوگ جوائنٹ فیملی میں رہتے ہیں اور اس سے نکلنے کی استطاعت نہیں رکھتے ان کا امتحانی پرچہ یہی ہے جس کو انہوں نے انتہائی خوش اسلوبی سے حل کرنا ہے۔ اس اصولی بات کے بعد عام طور پر جوائنٹ فیملی میں چونکہ ایک دوسرے سے انٹرایکشن زیادہ ہوتا ہے اس لئے غیبت کے مواقع بھی بڑھ جاتے ہیں۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تو اس سسٹم کو ایک آزمائش اور چیلنج کے طور پر لیا جائے، پھر کسی بھی شکایت کی صورت میں اپنا حق چھوڑ دینے کی ہمت پیدا کی جائے اور اگر شکایت کرنا ناگزیر ہی ہو تو نیت تحقیر کی بجائے اصلاح کی اختیار کرلی جائے۔ اور سب سے بڑھ کر اللہ سے دعا کی جائے۔

سوال ۱۱: کیا کسی شخص کی دل میں برائی سوچنا غیبت ہے ؟

جواب: نہیں کیونکہ غیبت کے لئے اظہار ضروری ہے خواہ وہ الفاظ سے ہو یا باڈی لینگویج سے۔ البتہ یہ بغض و بدگمانی کے زمرے میں آسکتا ہے۔

سوال ۱۲ : کچھ استاد تربیت کے نام پر اگر شاگرد کی غیر موجودگی میں دوسرے شاگردوں کے سامنے اس کی برائی کریں تو کیا یہ غیبت ہے ؟

جواب: ہم نے غیبت کی چوتھی شرط میں یہ نکتہ بیان کیا تھا کہ برائی کرنے کا مقصود کوئی جائز نہیں بلکہ ناجائز ہو، جیسے کسی شخص کی کردار کشی کرنا، اس کے عیوب کو اچھالنا اور دوسرے شخص کے سامنے اسے بدنام کرنا یا کمتر یا حقیر دکھانا۔ اس شرط کے تحت اگر شاگرد کی برائی کرنے کا محرک واقعی تربیت ہے اور اس کی تحقیر مقصود نہیں تو یہ غیبت نہیں ہے۔

سوال ۱۳: اگر ہم غیبت نہ کریں تو پھر تو ہم محفلوں میں کوئی بات ہی نہیں کرسکتے۔

جواب: ایسا نہیں ہے بلکہ ایسا سوچنا ایک شیطانی فریب ہے۔ مثال کے طور پر ایک دوکاندار یہ سوچے کہ اگر ہم ایمانداری کرنے بیٹھ گئے تو بھوکے مر جائیں گے۔ لیکن اگر آپ مغربی ممالک میں تجارت کو دیکھیں تو ان کی کامیابی کا راز ہی ایمانداری ہے۔ چنانچہ یہ سوچنا کہ غیبت چھوڑ دینے سے محفلیں ویران ہو جائیں گی ایک مغالطہ ہے۔ انسان کو ابتدا میں چیزیں مشکل لگتی ہیں لیکن جب ان کی عادت ہو جائے تو پھر معاملات آسان ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا غیبت چھوڑنے کے بعد محفلوں میں اچھی باتیں ہونگی، مثبت رویے پیدا ہونگے اور ایک دوسرے کی اچھائیوں کی جانب نظریں اٹھیں گی۔

سوال ۱۴۔ کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس پر علمی تنقید کی جائے یا اس کے رویے کے متعلق بات کی جائے کہ فلاں شخص انتہائی شدت پسند ہے، وغیرہ۔ تو کیا یہ غیبت ہو گی ؟

جواب: کسی کی غیر موجودگی میں کی گئی علمی تنقید تو کسی طور غیبت نہیں کیوں کہ علمی تنقید کا بنیادی محرک اصلاح ہوتی ہے تحقیر نہیں۔ لیکن اگر یہ تنقید تحقیر کے لئے ہے تو غیبت ہے۔ جہاں تک رویے پر تنقید کے غیبت ہونے یا نہ ہونے کا تعلق ہے تو اس کا جواب وہ شخص دے گا جو یہ کام کر رہا ہے۔ اگر وہ یہ کام اس شخص کی تذلیل و تحقیر کے لئے کر رہا ہے تو غیبت ہے۔ اگر اس کا مقصد باقی لوگوں کو اس کو تاہی سے آگاہ کرنا ہے یا کوئی اور جائز محرک ہے تو غیبت نہیں۔

سوال ۱۵: کیا کسی قوم کی برائی کرنا غیبت ہے ؟

جواب: نہیں۔ غیبت کسی فرد ہی کی ہوتی ہے اور یہ بات قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ البتہ کسی قوم کی برائی بیان کرنا ایک دوسری طرح کا گناہ ہے۔

سوال ۱۶: کیا غیر مسلم کی غیبت بھی حرام ہے ؟

جواب: غیبت دراصل عزت پر خفیہ حملہ ہے۔ جس طرح غیر مسلم کی جان اور مال پر حملہ کرنا ناجائز ہے اسی طرح اس کی عزت و آبرو پر حملہ بھی حرام ہے۔

سوال ۱۷: میں نے آپ سے ایک سوال بھی کرنا ہے کہ جیسا کہ میں نے غیبت کا سبب بتایا ہے کہ بعض لوگ لاعلمی کی وجہ سے غیبت کر بیٹھتے ہیں تو کیا ان کو اس کا گناہ ملے گا؟؟؟ کیا وہ بھی بالکل اتنے ہی گناہ کا مستحق ہو گا جتنا جان بوجھ کر برائی کرنے والا؟

جواب: آپ کا سوال بہت اچھا ہے۔ اگر ایک شخص لاعلمی میں کوئی گناہ یا غیبت کر بیٹھتا ہے تو لازمی طور پر وہ مکلف نہیں اور اسے اس گناہ کی وہ سزا نہیں ملے گی جو اس شخص کو ملتی ہے جو اسے جانتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کا فعل گناہ ہی شمار ہو گا۔ مثال کے طور پر ایک شخص کو علم نہیں کہ پاکستان میں لیفٹ ہینڈ ڈرائیو ہوتی ہے اور یہاں آکر رائٹ ہینڈ ڈرائیو شروع کر دے اور ایکسیڈنٹ کر دے تو تو ایسا نہیں کہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا، البتہ لاعلمی کی بنا پر ہو سکتا ہے عدالت اس سے نرم رویہ اختیار کر لے۔ لیکن اس سوال کا ایک اور پہلو ہے۔ اس طرح تو بظاہر وہ لوگ فائدہ میں رہیں گے جو لاعلم ہیں۔ لیکن لاعلم شخص کی پکڑ دوسرے میدان میں ہو رہی ہے۔ اس سے یہ ضرور پوچھا جائے گا کہ اس نے علم کیوں حاصل نہیں کیا؟ اسلام کی بنیادی باتیں جاننا ہر شخص پر فرض ہے۔ اب اگر ایک شخص یہ علم تو حاصل کر لیتا ہے کہ زہر کھانے سے وہ ہلاک ہو جائے گا اور زہر کیا ہوتا ہے۔ تو اسے یہ علم بھی حاصل کرنا چاہئے۔ اسی طرح اسے یہ بھی جاننا چاہئے کہ غیبت کیا ہوتی ہے؟ حسد کسے کہتے ہیں وغیرہ۔ لاعلمی بذات خود ایک بڑی کوتاہی ہے۔

محمد مبشر نذیر

الحاد جدید کے مسلم اور مغربی معاشروں پر اثرات (پارٹ 2)

مسلم معاشروں میں الحاد کا فروغ

پندرہویں اور سولہویں صدی میں اہل یورپ اپنے ممالک سے نکل کر مشرق و مغرب میں پھیلنا شروع ہوئے۔ انیسویں صدی کے آخر تک وہ دنیا کے بڑے حصے پر اپنی حکومت قائم کر چکے تھے۔ ان کی نو آبادیات میں مسلم ممالک کی اکثریت بھی شامل تھی۔ اہل یورپ نے ان ممالک پر صرف اپنا سیاسی اقتدار ہی قائم نہیں کیا بلکہ ان میں اپنے الحادی نظریات کو بھی فروغ دیا۔ مغربی ملحدین نے عیسائیت کی طرح اسلام کی اساسات پر بھی حملہ کیا۔ مسلم ممالک میں ان کے نظریات کے خلاف چار طرح کے رد عمل سامنے آئے:

- مغربی الحاد کی پیروی
- مغرب کو مکمل طور پر رد کر دینا
- مغرب کی پیروی میں اسلام میں تبدیلیاں کرنا
- مغرب کے مثبت پہلو کو لے کر اسے اسلامی سانچے میں ڈھالنا

مسلم اشرافیہ

پہلا رد عمل مسلمانوں کی اشرافیہ (Elite) کا تھا۔ ان کی اکثریت نے اہل مغرب اور ان کے الحاد کو کلی یا جزوی طور پر قبول کر لیا۔ اگرچہ اپنے نام اور بنیادی عقائد کی حد تک وہ مسلمان ہی تھے لیکن اپنی اجتماعی زندگی میں وہ الحاد اور لادینیت کا نمونہ تھے۔ بیسویں صدی کے وسط میں آزادی کے بعد بھی ان کی یہ روش بر قرار رہی۔ ان میں سے بعض تو اسلام کی تعلیمات کے کھلم کھلا مخالف تھے جن میں ترکی کے مصطفیٰ کمال پاشا، ایران کے رضا شاہ پہلوی، تیونس کے حبیب بورغبیہ اور پاکستان کے جنرل یحیٰ خان شامل ہیں۔ مسلم حکمرانوں کی اکثریت نے اگرچہ اسلام کا کھلم کھلا انکار نہیں کیا لیکن وہ عملی طور پر الحاد ہی سے وابستہ رہے۔ چونکہ مسلم عوام کی اکثریت کا سیاسی و معاشی مفاد انہی کی پیروی میں تھا، اس لئے عوام الناس میں الحاد پھیلتا چلا گیا۔ اس کی تفصیل ہم آگے بیان کریں گے۔

روایتی مسلم علماء

دوسرا ردعمل روایتی مسلم علماء کا تھا۔ انہوں نے اہل مغرب کے نظریات کو یکسر مسترد کر دیا۔ انہوں نے مغربی زبانوں کی تعلیم، مغربی علوم کے حصول، مغربی لباس کے پہننے، اور اہل مغرب کے ساتھ کسی بھی قسم کے تعلق کو حرام قرار دیا۔ انہوں نے اپنے مدارس کے ماحول کو قرون وسطیٰ کے ماحول میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ انہوں نے دور جدید میں کسی مسئلے پر اجتہادی انداز میں سوچنے کی بجائے قدیم ائمہ کی حرف بہ حرف تقلید پر زور دیا۔ برصغیر میں اس نقطہ نظر کو ماننے والے بڑے بڑے علماء میں قاسم نانوتوی، محمود الحسن، سید نذیر حسین دہلوی اور احمد رضا خان بریلوی شامل تھے جن کے نقطہ نظر کو پورے ہندوستان کے دینی مدارس نے قبول کیا۔

اگرچہ ان علماء میں کچھ مسلکی اور فقہی اختلافات موجود تھے لیکن مغرب کے بارے میں ان کا نقطہ نظر بالکل یکساں تھا۔ اگرچہ ان میں سے بعض مغربی زبانیں سیکھنے اور مغربی علوم کے حصول کے مخالف نہ تھے لیکن عملاً ان کا رویہ اس سے دوری ہی کا رہا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرے میں ان کا اثر و نفوذ کم سے کم تر ہوتا چلا گیا اور ان کے نقطہ نظر کو ماضی کی چیز سمجھ لیا گیا۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ ان سے بیزار ہونے لگا اور آہستہ آہستہ یا تو پہلے نقطہ نظر کو قبول کر کے الحاد کی طرف چلا گیا یا پھر اس نے تیسرے اور چوتھے نقطہ نظر کو قبول کیا۔

معاشرے میں اب ان اہل علم کا کردار یہی رہ گیا کہ وہ مسجد میں نماز پڑھا دیں، کسی کے گھر میں ختم قرآن کر دیں یا پھر نکاح، بچے کی پیدائش اور جنازے کے وقت چند رسومات ادا کر دیں۔ عملی زندگی میں ان کے کردار کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے وقت لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے یہ انتظار کر رہے ہوتے ہیں کہ کب مولوی صاحب وعظ ختم کریں اور وہ مسجد میں جا کر نماز جمعہ ادا کریں۔ جیسے ہی وعظ ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے، لوگ جوق در جوق مسجد کی طرف آنے لگتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے لوگوں کو ان کے وعظ اور تقاریر سے کوئی دلچسپی نہیں۔ انہی روایتی علماء میں سے بعض نے جدید دنیا کے علوم سے واقفیت حاصل کر کے عصر حاضر کے زندہ مسائل کو اپنا ہدف بنایا ہے۔ عام روایتی علماء کی نسبت ان کا اثر و نفوذ معاشرے میں بہت زیادہ ہے اور ان کی دعوت کو سننے والے افراد کی کوئی کمی نہیں۔

متجددین

اس دور میں امت مسلمہ کی علمی و فکری قیادت برصغیر اور مصر کے اہل علم کے ہاتھ میں آ چکی تھی۔ بعض مسلمان مفکرین نے اسلام کو جدید الحادی نظریات سے منطبق (Reconcile) کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اس مقصد کے لئے اسلام کے بعض بنیادی عقائد و اعمال کا بھی انکار کر دیا۔ اس نقطہ نظر کو ماننے اور پھیلانے والوں میں ہندوستان کے سر سید احمد خان، اور مصر کے طٰہٰ حسین اور سعد زغلول شامل ہیں۔ اسی فکر کو بیسویں صدی میں غلام احمد پرویز اور ان کے شاگرد ڈاکٹر عبد

الودود نے پیش کیا۔ روایتی اور جدید نقطہ نظر کے حامل علماء کے اثر و رسوخ کے پیش نظر اس فکر کو مسلم معاشروں میں عام مقبولیت حاصل نہ ہو سکی تاہم اس سے اشرافیہ کا ایک اہم حلقہ ضرور متاثر ہوا۔

جدید مصلحین

چوتھا رد عمل ان اہل علم کا تھا جو روایتی علماء کے قدیم علمی ورثے کے ساتھ ساتھ جدید علوم سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے مغرب کے الحادی افکار پر کڑی نکتہ چینی کی اور تیسرے نقطہ نظر کے حامل علماء کے برعکس اسلام کو معذرت خواہانہ انداز کی بجائے باوقار طریقے سے پیش کیا۔ انہوں نے روایتی علماء پر تنقید کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت تو ناقابل تغیر ہے لیکن قرون وسطیٰ کے علماء نے اپنے ادوار کے تقاضوں کے مطابق جو قانون سازی کی تھی، اس کی تشکیل نو (Reconstruction) کی ضرورت ہے۔ روایتی علماء کے برعکس انہوں نے جدید سائنس و ٹیکنالوجی کے حصول پر زور دیا۔

اس نقطہ نظر کے حاملین میں ہندوستان کے اہل علم میں سے محمد اقبال، ابوالکلام آزاد، شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، حمید الدین فراہی اور سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مصر کے علماء میں رشید رضا، حسن البنا اور سید قطب شامل ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے ممالک کے جدید اہل علم نے انہی کی پیروی کی۔ اسی نقطہ نظر کے حاملین نے عالم اسلام میں بڑی بڑی تحریکیں برپا کیں جنہوں نے جدید طبقے کو اسلام سے متعارف کروانے میں اہم کردار ادا کیا۔ روایتی علماء کی نسبت انہیں تعلیم یافتہ طبقے میں کافی زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی اور ان کے اثرات اپنے اپنے معاشروں پر نہایت گہرے ہیں۔

جاری ہے۔۔۔

مصنف کی دیگر تحریروں کے لئے وزٹ کیجیے: www.mubashirnazir.org
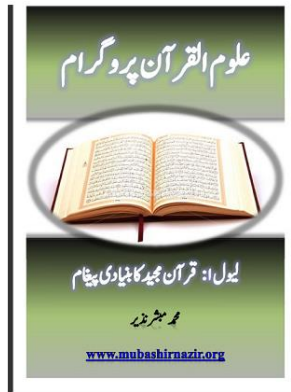
ارسلان اعجاز

مومن کا کردار کیسا ہونا چاہیے؟

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (الاحزاب:۲۱)

بلاشبہ یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے بہترین نمونہ ہے ہراُس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کی اُمید رکھتا ہواو ر اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔

اُسوہ :

ایسا نمونہ ہے جس سے تسلی بھی ہو سکے اور اس میں آپس میں ہمدردی اور غمگساری کا پہلو بھی پایا جاتا ہے۔کسی مثالی کردار کی اتباع کرنا جذبہ ہمدردی کیساتھ۔یعنی اسوہ اس چیز کو کہتے ہیں، جس سے تسلی اور تشفی ہو جائے اور بے چینی میں سکون حاصل ہو جائے۔ان دونوں معنی کو سامنے رکھا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ چیز ہے، جس سے ہم کو تسلی، تشفی اور آسودگی نصیب ہوگی۔

آئیڈئیل شخصیت

سورۃالاحزاب کی یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ ایک مومن کی تعمیر شخصیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے ہی ممکن ہے اور وہ ایک صالح مومن ہی تبھی ہے جب وہ اپنا ایمان و عمل کردار و گفتار اپنے شب و روز، اٹھنا بیٹھنا، لین دین، زندگی کا ہر پہلو و لمحہ آپ کے اسوہ کو مدنظر رکھتے ہوئے گزارتا ہے کیونکہ اسکی نظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی ہی وہ آئیڈئیل شخصیت ہے جس کی پیروی دنیا و آخرت میں کامیابی کا ذریعہ ہے اور یہ نمونہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو اللہ تعالی اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ تعالی کو کثرت سے یاد کرتا ہو یعنی اللہ سے غافل آدمی کے لیے تو یہ زندگی نمونہ نہیں ہے مگر اس شخص کے لیے ضرور نمونہ ہے جو کبھی کبھار اتفاقاً اللہ کا نام لے لینے والا نہیں بلکہ کثرت سے اس کو یاد کرنے اور یاد رکھنے والا ہو۔اسی طرح یہ زندگی اس شخص کے لیے تو نمونہ نہیں ہے جو اللہ سے کوئی امید اور آخرت کے آنے کی کوئی توقع نہ رکھتا ہو ، مگر اس شخص کے لیے ضرور نمونہ ہے جو اللہ کے فضل اور اس کی عنایات کا امیدوار ہو اور جسے یہ بھی خیال ہو کہ کوئی آخرت آنے والی ہے جہاں اس کی بھلائی کا سارا انحصار ہی اس پر ہے کہ دنیا کی زندگی میں اس کا رویہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رویے سے کس حد تک قریب تر رہا ہے۔

اللہ کا مسلمانوں پر احسان

یہ بھی اللہ تعالی کا مومنوں پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے اپنے رسول کو بھیج کر کتاب و حکمت کی تعلیم دی تاکہ وہ اپنا تزکیہ کر سکیں۔ارشاد باری تعالی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (آل عمران: 164)

بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ انہیں میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سُناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے یقینا یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

دنیا و آخرت میں کامیابی کا میعار

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الاعراف: 157)

جو لوگ اُس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو اُمّی نبی ہے، جسے وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھاہوا پاتے ہیں، وہ اُن کو نیکی کا حکم دیتاہے اورانہیں برائی سے روکتاہے اوراُن کے لیے پاک چیزیں حلال کرتا ہے اورناپاک چیزیں اُن پرحرام کرتاہے اور اُن پر سے ان کے وہ بوجھ اورطوق اُتارتا ہے جواُن پرپڑے ہوئے تھے۔سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور انہوں نے اُس کو قوت دی اوراس کی مدد کی اور اس نور کی اتباع کی جو اُس کے ساتھ نازل کیا گیا وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

معلوم ہوا کہ انسان کی دنیا و آخرت میں کامیابی کا اصل دارو مدار آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع کے اندر رہ کر زندگی گزارنا ہے۔وہ ایمان و عمل کا معاملہ ہو یا کسی چیز کے حلال و حرام کا معاملہ ہو حسن اخلاق، صلہ رحمی، عدل و احسان، (ان سب موضوعات پر ان شاء اللہ باری باری تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی) اور پھر کس طرح نیکی کا حکم دینا ہے اور برائی سے کس طرح روکنا ہے، دین کی دعوت کا محور و اسلوب کیا ہے یہ سب باتیں اسے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے ہی ملیں گی کیونکہ مومن اپنی مرضی نہیں کرتا بلکہ نبی ﷺ کی

اطاعت میں زندگی گزارتا ہے اور آیت کے مطابق انسان کے اپنے اوپر زبردستی کے پہنے طوق بھی تبھی اتر سکتے ہیں جب وہ اس بات کو سمجھ لے کہ دین کا ماخذ کیا ہے اور اس کو کس طرح سمجھنا اور کیسے عمل کرنا ہے کیا میرا یہ عمل رسول ﷺ کے اسوہ و اطاعت کے مطابق ہے؟ کیا میں کسی اور کی اندھی تقلید میں تو گرفتار نہیں ہوں۔ آج لوگوں کی اکثریت اپنے پیروں مولویوں اور خود ساختہ امیروں کی تقلید میں گرفتار ہو کر انکے ہاتھوں کا کھلونا بنی ہوئی ہے وہ دین کے نام پر جس چیز کو بھی اپنا عقیدہ و موقف بنا کر پیش کرتے ہیں تو یہ اندھوں کی طرح بغیر کسی دلیل و تحقیق کے ان کی بات پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنا شروع کردیتے ہیں۔ جبکہ اسی بات کو مالک کائنات شرک فی الحکم سے تعبیر فرما رہا ہے سورہ الشوریٰ آیت نمبر 21 میں فرمایا:

اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَ لَوۡ لَا كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ (الشوریٰ:21)

کیا اُن کے کچھ شریک ہیں جنہوں نے دین کا وہ طریقہ اُن کے لیے مقرر کیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی؟ اگر فیصلے کی بات نہ ہوتی تو اُن کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا اور یقیناً ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

جب کہ ارشاد باری تعالی تو تھا:

وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ ۚ وَ مَا نَهٰىكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ (الحشر:7)

اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو ، اور جس سے روکے رک جاؤ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو ، یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے ۔

حدیث مبارکہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

دَعُوْنِي مَا تَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوْهُ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

مجھے اس وقت تک چھوڑے رہو جب تک میں تمہیں چھوڑے رہوں، کیونکہ تم سے پہلے لوگ زیادہ سوال کرنے اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرنے کے باعث ہی ہلاک ہوئے، لہٰذا جب میں تمہیں کسی بات سے روکوں تو اس سے اجتناب کرو، اور جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو حسبِ استطاعت اس کی تعمیل کرو۔

جاری ہے۔۔۔۔

ڈاکٹر ظہور احمد دانش

فن تحقیق اور تحقیق کے طریقے

علم روشنی ہے، اسی روشنی کی بدولت دنیا میں دریافت و ایجادات کے دروازے کھلے۔ محققین کی شب و روز کی محنت اور جہد مسلسل کی بدولت بتدریج ترقی ہوتی رہی اور ایسے ہی ترقی کا یہ سفر جاری و ساری ہے۔

تحقیق:

لفظ تحقیق کہنے، لکھنے میں کتنا آسان دکھائی دیتا ہے لیکن جب اس کے معانی، مفاہم اور اس فعل کو سرانجام دیا جاتا ہے تو آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔ ایک اَن تھک محنت، ایک جہد مسلسل، ایک دیانت دارانہ علمی کوشش، ایک باریک بینی و عرق ریزی کا نام تحقیق ہے۔ لفظ تحقیق کے متعلق لغت سے مدد لیں تو ہمیں کچھ اس طرح کے معانی ملتے ہیں۔

تحقیق کا لغوی معنی:

تحقیق باب تفعیل کا مصدر ہے۔ جس کے معنی چھان بین اور تفتیش کے ہیں اور اس کا مادہ "ح ق ق" ہے۔ مشہور لغت کے امام خلیل ابن احمد (م ۱۷۰ھ) لکھتے ہیں:

الحقُّ نقيض الباطل "حق باطل کی ضد ہے"۔

(خلیل ابن احمد، ابو عبد الرحمن، کتاب العین، دار و مکتبۃ الہلال، س ن، جلد ۳، صفحہ ٦۔)

اسی طرح ایک اور مشہور لغت کے ماہر ابن منظور افریقی (م ۷۱۱ھ) لکھتے ہیں:

الحَقُّ: نَقِيضُ الْبَاطِلِ، وَجَمْعُهُ حُقوقٌ وحِقاقٌ وحَقَّ الأَمْرُ يَحِقُّ ويَحُقُّ حَقّاً وحُقوقاً: صَارَ حَقّاً وثَبت۔ "حق باطل کی ضد ہے۔ اور اس کی جمع حقوق اور حقاق آتی ہے۔ اور حَقَّ الامرُ کا معنی صحیح ہونا اور ثابت ہونا ہے۔"

(ابن منظور، محمد بن مکرم، الافریقی، لسان العرب)

چونکہ حق اور باطل دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قران کریم میں حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ [البقرة: 42] اور سچ میں جھوٹ نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔

اسی طرح سچائی کو ثابت اور باطل کا جھوٹ واضح کرنے کے لیے فرمایا:

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (الانفال:80)

تاکہ سچا کرے سچ کو اور جھوٹا کر دے جھوٹ کو اور اگرچہ ناراض ہوں گناہ گار۔

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے:

لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (یٰسین:70)

تاکہ جو زندہ ہے اسے ڈرائے اور کافروں پر الزام ثابت ہو جائے۔

اسی طرح قرآن مجید میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ (الحجرات:6)

اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔

اس بحث کو سمیٹے ہوئے اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ تحقیق کا لغوی معنی، چھان بین، حق و باطل میں فرق، تفتیش اور ثابت کرنا وغیرہ ہے۔ اور انگلش میں اس کے لیے Research کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ Re کے معنی ہیں دوبارہ اور Search کے معنی ہیں تلاش کرنا تو Research کے معنی ہوئے دوبارہ تلاش کرنا۔

S=stands for Search for Solution(حل کی تلاش)

E=stands for Exactness(درستی وصحت)

A=stands for Analysis (تجزیہ)

R=stands for Relationship of Facts(حقائق کا تعلق)

C=stands for Critical Observation(تنقیدی مشاہدہ)

H=stands for Honesty and Hardship(دیانت اور مشکلات)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے متعدد ارشاداتِ عالیہ میں معاملات اور دیگر اہم امور میں غور و فکر اور تحقیق کرنے کا حکم دیا ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

خَرَجْنَا فِي سَفَرٍ فَأَصَابَ رَجُلًا مِنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِي رَأْسِهِ، ثُمَّ احْتَلَمَ فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ فَقَالَ: هَلْ تَجِدُونَ لِي رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ؟ فَقَالُوا: مَا نَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَأَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَاءِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ، فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُخْبِرَ بِذَلِكَ فَقَالَ: قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ، أَلَا سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ، إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيَعْصِرَ -أَوْ يَعْصِبَ شَكَّ مُوسَىٰ- عَلَى جُرْحِهِ خِرْقَةً، ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهِ (ابوداؤد، حدیث: 336)

ہم سفر کے لیے روانہ ہوئے راستہ میں ایک شخص کو پتھر لگا جس سے اس کا سر پھٹ گیا، اس کو احتلام ہوا اس نے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا تم مجھے تیمم کی اجازت دیتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں ہم تیرے لیے تیمم کی کوئی گنجائش نہیں پاتے؛ کیونکہ تجھے پانی کے حصول پر قدرت حاصل ہے لہٰذا اس نے غسل کیا اور مر گیا جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں نے اس کو ناحق مار ڈالا، اللہ ان کو ہلاک کرے، جب ان کو مسئلہ معلوم نہ تھا تو ان کو پوچھ لینا چاہیے تھا؛ کیونکہ نہ جاننے کا علاج معلوم کر لینا ہے، اس شخص کے لیے کافی تھا کہ وہ تیمم کر لیتا اور اپنے زخم پر کپڑا باندھ کر اس پر مسح کر لیتا اور باقی سارا بدن دھو ڈالتا۔

محترم قارئین! تحقیق اور فن تحقیق پر ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ یاد رہے کہ "حقائق یا اصول کی تلاش میں پُر مغز تفتیش، کھوج، ایک تجرباتی تحقیق چھان بین، تحقیق علمی (فعل متعدی و لازم) علمی تحقیق کرنا، پتا لگانا، کھوج کرنا، تفتیش کرنا۔" تحقیق کے معنی ہیں کسی مسئلہ (موضوع) کے بارے میں ایسے اسلوب سے کھوج لگانا کہ اس کی اصلی شکل خواہ معلوم ہو یا غیر معلوم اس طرح نمایاں ہو جائے کہ کسی قسم کا ابہام نہ رہے۔ (عبدالحمید خاں عباسی، اصول تحقیق ص:۷۷، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۲۰۰۲)

اب ہم آپ کو تحقیق کرنے کا طریقہ اس کے بنیادی اصول اور اس کی ترتیب کے متعلق معلومات فراہم کریں گے۔ جن کی روشنی میں آپ اپنی ریسرچ کو ترتیب دے سکتے ہیں۔ تحقیق ایک مکمل فن ہے۔ جب بھی کوئی کام کیا جاتا ہے تو اگر اس کا کوئی مقصد نہ ہو تو وہ کام لایعنی ہوتا ہے۔ چنانچہ آیئے ہم آپ کو تحقیق کے بنیادی مقاصد بتاتے ہیں۔

مقاصد:

تحقیق کے بنیادی طور پر چار مقاصد ہیں (۱) غیر موجود حقائق کی دریافت (۲) موجود حقائق کا دوبارہ جائزہ لینا (۳) حدود علم کی توسیع (۴) مناسب اسلوب۔ بعض محقق نے دو مقاصد کا مزید اضافہ کیا ہے (۵) مواد کی تنقیح (۶) فکر کی مدد سے۔

تحقیق کی قسمیں :

تحقیق کا عمل زندگی کے ہر شعبے میں ملتا ہے، بنیادی طور پر تحقیق کی دو قسمیں کی جاتی ہیں (1) خالص یا نظریاتی تحقیق (۲) اطلاقی تحقیق۔

خالص تحقیق کو بنیادی تحقیق بھی کہتے ہیں۔ جس کا مقصد معلومات کا دائرہ وسیع کرنا ہوتا ہے، اس تحقیق میں بہت سے سوالات اور موضوع سے متعلق بہت سے گوشوں کو بے نقاب کیا جاتا ہے۔ نئے حقائق کی فراہمی اور مختلف عوامل کے نظریات کے بارے میں تصوراتی ڈھانچے کی ترتیب بھی اس کے مقاصد میں شامل ہیں۔ اطلاقی تحقیق کا مقصد نتائج کی روشنی میں خالص تحقیق کو پرکھنا ہے ،یعنی اس میں صرف معلومات کو حاصل کرنا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ نتائج کو عملی شکل میں دیکھنا بھی مقصود ہوتا ہے۔ (عبدالحمید خاں عباسی، اصول تحقیق ص:۱۳۵، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلامی آباد ۲۰۰۲)

تحقیق کے فن کو مزید تحقیق کی نظر سے دیکھیں تو پھر اس کی مزید دو قسمیں سامنے آتی ہیں۔ (۱) تجزیاتی تحقیق (۲) تاریخی تحقیق۔ لسانیات میں بھی یہی دو قسمیں اہم ہیں، زبانوں کا عہد بہ عہد ارتقاء دیکھنا تاریخِ لسانیات ہے اور کسی زبان یا بولی کا ایک دور میں مطالعہ کرنا تجزیاتی تحقیق ہے۔ مزید غور و فکر کریں تو تحقیق کی مزید دو جہات سامنے آتی ہیں (۱) سندی تحقیق (۲) غیر سندی

تحقیق سندی:

تحقیق وہ ہے جو یونیورسٹیوں میں ڈگری کے حصول کے لئے کی جاتی ہے۔

تحقیقِ غیر سندی :

یہ تحقیق ڈگری کے حصول کے لئے نہیں کی جاتی ہے، اسے عام طور پر ڈگری یافتہ اساتذہ یا دوسرے اہل شوق کرتے ہیں۔ سندی تحقیق کے لئے تین چیزیں لازم ہوتی ہیں جس کی وجہ سے یہ غیر سندی تحقیق کے مقابلہ میں ناقص ہوتی ہے (۱) اس کی تکمیل کے لئے مدت متعین ہوتی ہے (۲) اس میں نگران کی ضرورت ہوتی ہے (۳) اس تحقیق کو ممتحنوں کے سامنے سے گزرنا ہوتا ہے جبکہ غیر سندی تحقیق میں اسکالر بالکل آزاد ہوتا ہے اور اس کے لئے کوئی مدت نہیں ہوتی ہے۔

جاری ہے۔۔۔

حافظ محمد شارق

زندگی کی ڈرائیونگ فورس۔ مطالعہ قرآن

زندگی کی کشتی کسی ناخدا کے بغیر نہیں چلتی۔ جس طرح ایک ناؤ کو اس کا ملاح آگے بڑھاتا ہے اسی طرح ہم میں سے ہر وہ شخص جو اپنے نصیب اور جدوجہد کی کشمکش سے جوجھ رہا ہے، اس کی زندگی میں ایک مرکزی قوتِ محرکہ (Driving Force)ضرور ہوتی ہے جو اس کی زندگی کو آگے بڑھاتی ہے۔ اس کے لیے بہترین لفظ انگریزی میں Drive ہے جس کا مطلب ہے رہنمائی کرنا، ہدایت کرنا، کنٹرول کرنا۔ ہماری زندگی کی بھی ایک Driven Force ہوتی ہے جس کے تحت ہم کنٹرول ہوتے ہیں۔ ہمارے فیصلے، ہمارے تعلقات ہماری خواہشات، غرض کے زندگی کے تمام پہلو اسی قوت کے ذریعے ہوتے ہیں۔ فرائیڈ اس کی توجیہہ لاشعور سے کرتا ہے۔ گیتا میں اسی کو سمسکارہ کہا گیا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس پر ابتدائی ابواب میں اعمال کے محرکات بیان کرتے ہوئے تفصیلی بحث کی ہے۔ یہ قوت محرکہ دراصل احساسات کا مجموعہ ہے جو خوف بھی ہو سکتا ہے، کوئی پشیمانی بھی ہو سکتی ہے اور غصہ بھی۔۔ مگر یہ جو کچھ بھی ہو، ہماری شخصیت کو تراشنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جس طرح یہ ضروری ہے کہ ہم زندگی کے مسائل کا حل تلاش کریں، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ہم پہلے اپنی زندگی کی Driving Force کو پہچانیں۔ عمومی طور پر ہماری زندگی میں Driving Force یہ ہوتی ہیں:

پشیمانی:

ہم میں سے اکثر لوگوں کی زندگی ماضی کے پچھتاووں سے لڑتے ہوئے گزر جاتی ہے۔ ان کا تلخ ماضی ان کے آزاد مستقبل کو قیدی بنالیتا ہے اور ان پر حکومت کرتا ہے۔ جو کچھ ماضی میں ہوا یا نہ ہو سکا، اس کے لیے وہ اپنے مستقبل کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ ماضی سے ملنے والا سبق یاد رکھیں مگر ماضی کا تجربہ اور احساس ماضی کے قبرستان میں ہی دفن کر دیں۔

غصہ:

کچھ لوگوں کے اندر غصے اور ناراضگی کے جذبات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ وہ معافی اور رحم کے ذریعے اپنے دامن پر اُس تکلیف کے اثرات کو صاف کر سکتے ہیں مگر وہ ان منفی جذبات کو پالتے رہتے ہیں۔ یہ جذبات یا تو وہ لوگوں پر نکال کر تشدد کی جانب چلے جاتے ہیں یا پھر وہ ان جذبات کے زہر کو اپنے اندر ہی پنپنے دیتے ہیں اور اپنی شخصیت تباہ کر دیتے ہیں۔ وہ تکلیف تو وقت کی دھوپ میں اڑ چکی ہوتی ہے مگر ہم ماضی کو پابہ زنجیر رکھنا چاہتے ہیں۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی بھی انسان جس نے

ہمیں ماضی میں کوئی دُکھ دیا ہو، وہ ہمیں اِس وقت دُکھ نہیں دے سکتا اِلاّ یہ کہ اس کے اثرات اپنے ذہن میں پال کر رکھیں اور خود کو مزید Hurt کرتے رہیں۔ ان کی زندگی میں مرکزی قوت اصل میں غصہ ہوتی ہے۔

خوف:

بہت سے لوگوں کی زندگی مستقبل کے اندیشوں اور خوف کے دائرے میں ہی قید ہوتی ہے۔ وہ اپنے فیصلے، ان کی سوچ ہر ایک چیز محض مستقبل کے اندیشوں کو ذہن میں رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ انھیں معاش، تعلقات، صحت یا مختلف حوالوں سے اپنے بارے میں خوف رہتا ہے۔ وہ جب بھی زندگی میں کوئی قدم اٹھاتے ہیں، ایک خوف کی لہر ان کی رگوں میں دوڑنے لگتی ہے ان کی نگاہ میں جنم لینے والا نادیدہ مستقبل ان کے لمحۂ موجود کو خراب کر دیتا ہے۔

یہ وہ احساسات بلکہ ہمارے اندر ہی پلنے والے Monsters ہیں جنھیں ہم نے اپنا آپ سپرد کیا ہے۔ ہمارے فیصلے ہم نہیں بلکہ ہمارے لاشعور میں چھپے یہ احساسات کرتے ہیں۔

اب مجھے سوچنا ہے کہ میری زندگی میں Driving Force کیا ہے؟ میرے دل کے تہہ خانے میں وہ کون سا احساس چھپا ہوا ہے جو میری پوری حیات پر کنٹرول کر کے ساری زندگی مجھے بے تاب رکھتا ہے؟ خوف، پشیمانی یا غصہ؟

کیوں نہ ان احساسات کو Replace کر دیا جائے۔ اللہ کی یاد سے۔۔۔ میری خلوت و جلوت، میری گفتگو اور ہم کلامی، میرا مکمل وجود اللہ کی یاد سے روشن ہو جائے۔ میرے دل کے نہاں خانے میں بھی اللہ کی یاد کا دِیا جلتا رہے اور وہی دِیا میری زندگی کی Driving Force ہو۔ میرا غصہ کیوں معافی میں نہیں بدل سکتا؟ جبکہ میں غفور و رحیم ہستی کو پکارتا ہوں۔ ماضی میں ٹوٹا میرا دل اب کیوں نہیں جڑ سکتا؟ جبکہ میں الجبار کا پجاری ہوں۔ میں کیوں اپنے نادیدہ مستقبل سے خوف زدہ ہوں؟ جبکہ میرا پروردگار انتہائی حکیم اور نگہبان ہے۔ جب میں اللہ کی یاد کا دِیا اپنے لاشعور میں جلا دوں تو کیسے تاریکیوں کے آسیب مجھ پر قابض ہو سکتے ہیں؟ میں اپنے دل میں اللہ کو بسا دوں تو بس پھر اللہ ہی ہے جو مجھے سکون عطا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہیں؛

جو صاحب ایمان ہیں، ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے تسکین ہوتی ہے اور یقینا! اللہ کی یاد ہی سے دل تسکین پاتے ہیں۔

عمر خطاب

تزکیہ ءعلم

انسان جب اس کائنات میں آنکھ کھولتا ہے تو اُس کے ذہن میں طبعی سوالات کے بجائے چند مابعد طبعیاتی سوالات جنم لیتے ہیں۔ وہ خود کو دیکھ کر یہ سوال نہیں کرتا کہ وہ کن عناصر سے بنا ہے بلکہ وہ یہ سوال کرتا ہے کہ اسے کس نے بنایا ہے، وہ کائنات کو دیکھ کر یہ سوال نہیں کرتا کہ اس میں Relativity کی تھیوری کارفرما ہے یا Quantum mechanics کی، وہ کسی کو مرتا دیکھ کر یہ سوال نہیں کرتا کہ اس کا جسم کیسے Decompose ہو گا، بلکہ سوال یہ ہوتا ہے کہ وہ کہاں جائے گا۔۔۔

اس بات کا ادراک کہ انسان کہاں سے آیا ہے، اس کو کس نے بنایا ہے، اس کو بنانے والے کا اس کی زندگی سے کیا تعلق ہے، اُس کی صفات کیا ہیں اور ان کا کیا تقاضا ہے؟ وہ پروردگار اُس سے کیا چاہتا ہے، اسے کیا پسند ہے اور کیا پسند نہیں، اس نے انسان کے ساتھ رابطہ کیسے کیا ہے اور اس نے ہمیں پیدا کیوں فرمایا ہے ان تمام چیزوں کا ادرک تزکیہ ءعلم میں شمار ہوتا ہے۔ اگر انسان کو ان سوالات کا جواب نہ ملے اور وہ ان کے لیے کوشاں نہ ہو تو اپنی فطرت جس پر اللہ نے اسے تخلیق کیا ہے اس کا مجرم ٹھہرے گا۔

دورِ حاضر میں انسان چند طبعیاتی سوالات کے جواب دریافت کر کے سمجھتا ہے کہ سائنس نے تمام سوالات کے جواب دے دیے ہیں جبکہ غافل اس کا ادراک نہ کر سکا کہ سوالات کی نوعیت طبعی نہیں بلکہ مابعد الطبعیاتی تھی۔

سوال یہ نہیں تھا کہ انسان کن اجزاء سے بنا ہے بلکہ سوال یہ تھا کہ کس نے بنایا ہے، سوال یہ نہیں تھا کہ کائنات میں relativity کی تھیوری کارفرما ہے یا کوانٹم فزکس کی بلکہ سوال یہ تھا کہ اتنا مربوط و منظم نظام بنایا کس نے ہے! سوال یہ نہیں تھا کہ جسم کی decomposition کیسے ہو گی بلکہ سوال یہ تھا کہ شخصیت (consciousness) کہاں جاتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اِن سوالات کا جواب کہاں سے ملے گا؟ اگر یہ سوال طبعی نوعیت کے ہوتے تو انسان تجربے کے ذریعے (empirically) ان سوالات کے جواب تلاش کر لیتا مگر یہ سوال طبعی نہیں۔ رہی عقل (Rationalism) تو ٹھیک ہے اگر محض عقل ہی کی بنیاد پر سوالات کے جواب تلاش کرنے چلیں تو وہ ایک فلسفہ ہو سکتا جو کہ انسان کا تخلیق کردہ ہے اور یہ محض ایک ایمان (faith) ہو گا حقیقت (Fact) نہیں۔ کیونکہ جو بھی انسان اپنی عقل سے کر سکتا ہے وہ محض

قیاس کر سکتا ہے جس سے فلسفہ وجود میں آجائے گا۔ اس لیے ان سوالات کے جواب محض ایک ہی طریقے سے مل سکتے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ خود ان سوالات کے جواب دے دے۔ اس جگہ سے وحی (revelation) کا تصور شروع ہوتا ہے۔

اب یہ بات واضح ہو چکی کہ ان مابعد الطبعیاتی سوالات کے جواب وحی (revelation) کے ذریعے ہی ممکن ہیں۔ مشرق و مغرب کے تمام مذاہب کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ "وحی" کا تصور محض ابراہیمی مذاہب (اسلام، عیسائیت، یہودیت) میں موجود ہے۔ مشرق میں ہندو و بدھ مذہب علومِ باطنیہ و فلسفہ سے پیدا ہوا، مغرب میں دیومالا (mythology) قوتِ واہمہ سے پیدا ہوئی جبکہ مشرقِ وسطیٰ میں ابراہمی مذاہب کا دعوی یہ ہے کہ اُن سے اللہ نے "وحی" کے ذریعے رابطہ کیا۔ سو ہم اب اس دائرے سے مشرق و مغرب دونوں کے مذاہب کو خارج کر کے محض ابراہیمی مذاہب پر غور کریں گے۔

اب یہاں سے بات تاریخ میں داخل ہو جاتی ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی مذہب کا انعقاد کب ہوا، یہ خود یہود کو بھی معلوم نہیں، ان کے بانی کا اتا پتا کسی تاریخ دان کو معلوم نہیں، عیسائی مذہب خود کو 2 ہزار سال پرانا کہتا ہے، البتہ تاریخ میں یہ مذہب سترہ سو سال قبل لکھنا شروع کیا گیا، جب قسطنطنیہ کے بادشاہ نے عیسائیت قبول کی، سو اِس مذہب کا بانی بھی لاپتہ نکلا۔ رہی بات اسلام کی تو یہاں معاملہ کچھ اور نکلتا ہے، داعیِٔ اسلام نہ صرف تاریخی دستاویزات پر لکھا جاتا رہا بلکہ انہوں نے مشرق و مغرب شمال و جنوب میں ایک انقلاب بپا کیا اور اسلام کا آغاز ایک حکومت سے ہوا جو اپنے وقت میں سپر پاور تھی اور 10 برس میں ساری دنیا میں اسلام کا اظہار بھی ہو گیا۔۔

سو، تاریخ کا مطالعہ کر کے معلوم یہ ہوا کہ ابراہیمی مذاہب میں سب سے مستند مذہب جو کہ اپنی اصل حالت میں کسی نہ کسی طرح محفوظ ہو سکتا ہے اور ہم اس کو علم حاصل کرنے کی خاطر مطالعہ کر سکتے ہیں تو وہ محض اسلام ہے۔ یہاں تک الحاد اور دیگر تمام مذاہب کا تقابلی جائزہ لیا اور یہ بات ثابت ہوئی کہ ان مابعد الطبعیاتی سوالات کا جواب محض اسلام میں مل سکتا ہے"

ؔطلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو
وہ سوز اس نے پایا انہی کے جگر میں

علماء و مشائخ کی ذمہ داری

لَوْلَا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِہِمُ الْاِثْمَ وَاَکْلِہِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ (المائدہ: 63)

ان کے مشائخ اور علماء ان کو کیوں نہیں روکتے گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے، کیسے برے کام ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔

عبد الباسط

قرآن کی فضیلت کے متعلق صحیح و ضعیف روایات

چند ضعیف روایات کا متن

معاذ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے قرآن پڑھا اور اس کی تعلیمات پر عمل کیا تو اس کے والدین کو قیامت کے روز ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی چمک سورج کی اس روشنی سے بھی زیادہ ہو گی جو تمہارے گھروں میں ہوتی ہے اگر وہ تمہارے درمیان ہوتا، (پھر جب اس کے ماں باپ کا یہ درجہ ہے) تو خیال کرو خود اس شخص کا جس نے قرآن پر عمل کیا، کیا درجہ ہو گا"۔

یہ روایت درج ذیل متون میں نقل ہوئی ہے:

أَخْبَرَنَا بَكْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّيْرَفِيُّ، بِمَرْوَ، ثنا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ الْفَضْلِ الْبَلْخِيُّ، ثنا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، ثنا بَشِيرُ بْنُ مُهَاجِرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ الْأَسْلَمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَتَعَلَّمَهُ وَعَمِلَ بِهِ أُلْبِسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَاجًا مِنْ نُورٍ ضَوْءُهُ مِثْلُ ضَوْءِ الشَّمْسِ، وَيُكْسَى وَالِدَيْهِ حُلَّتَانِ لَا يَقُومُ بِهِمَا الدُّنْيَا فَيَقُولَانِ: بِمَا كُسِينَا؟ فَيُقَالُ: بِأَخْذِ وَلَدِكُمَا الْقُرْآنَ «.» هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ" (مستدرک الحاکم- 2086)

اس روایت کے راوی بشیر بن مہاجر کے متعلق:

یحیی بن معین وغیرہ نے توثیق کی۔ امام احمد نے منکر الحدیث کہا۔ ابو حاتم نے کہا کہ اس سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ ابن عدی نے کہا کہ بعض روایات میں ضعف ہے۔ نسائی نے لیس بہ باس کہا (جبکہ الضعفاء والمتروکون میں لیس بقوی کہا)۔

(میزان الاعتدال)

حَدَّثَنَا أَبُو هَمَّامٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، عَنْ زَبَّانَ بْنِ فَائِدٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ الْجُهَنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ، وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ أَلْبَسَ وَالِدَيْهِ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بُيُوتِ أَهْلِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيهِ، فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهِمَا؟ (مسند ابی یعلی - 1493)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، عَنْ زَبَّانِ بْنِ فَائِدٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ الْجُهَنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ، أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بُيُوتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيكُمْ، فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهَذَا؟ (سنن ابی داؤد- 1453)

حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مُوسَى الْقَاضِي إِمْلَاءً، ثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ السِّنْجَانِيُّ، ثنا أَبُو الطَّاهِرِ، وَهَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَا: ثنا ابْنُ وَهْبٍ، أَنْبَأَ يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، عَنْ زَبَّانَ بْنِ فَائِدٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجُهَنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ، وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ أُلْبِسَ وَالِدُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَاجًا ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بُيُوتِ الدُّنْيَا وَكَانَتْ فِيهِ، فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهِ». «هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ (مستدرک الحاکم- 2085)

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، حدثنا أَبُو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مُوسَى الْقَاضِي، حدثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ الهسِنْجَانِيُّ، حدثنا أَبُو الطَّاهِرِ، وَهَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَا: حدثنا ابْنُ وَهْبٍ، عَنِ يحيى بْنِ أَيُّوبَ، عَنِ زَبَّانِ بْنِ فَائِدٍ، عَنِ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجُهَنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَاجًا، ضَوْءُهُ

أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بُيُوتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيهِ، فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهِ؟" (شعب الایمان- 1797)

ان روایات کے راوی "زبان بن فائد" کے متعلق:

یحیی بن معین نے ضعیف کہا: امام احمد نے کہا اسکی احادیث منکر ہوتی ہیں۔ ابو حاتم نے صالح کہا۔ (میزان الاعتدال)

ابن حبان نے منکر الحدیث جدا کہا اور کہا کہ اسکا سہل بن معاذ سے روایت کردہ ایک نسخہ ہے جو کہ گویا گھڑا ہوا ہے اس سے استدلال جائز نہیں۔ساجی نے کہا کہ اسکے پاس منکر روایات ہوتی ہیں۔ (تہذیب التہذیب)

اس روایت کے راوی "سہل بن معاذ" کے متعلق:

یحیی بن معین نے ضعیف کہا: ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا لیکن ساتھ یہ بھی لکھا کہ وہ روایات معتبر نہیں جن میں اس سے زبان بن فائد روایت کرے۔ (تہذیب التہذیب)

صحیح حدیث کا متن

درج بالا ضعیف روایات کے مقابلے میں صحیح روایت بھی موجود ہے، اس کا متن درج ذیل ہے:

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ، حَدَّثَنِي عَاصِمُ بْنُ بَهْدَلَةَ، عَنْ زِرٍّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ: اقْرَأْ، وَارْتَقِ، وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَؤُهَا" (سنن ابو داؤد: 1464)

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”(قیامت کے دن) صاحب قرآن سے کہا جائے گا: (قرآن) پڑھتا جا اور (بلندی کی طرف) چڑھتا جا۔ اور ویسے ہی ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جس طرح تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر ترتیل کے ساتھ پڑھتا تھا۔ پس تیری منزل وہ ہو گی جہاں تیری آخری آیت کی تلاوت ختم ہو گی“۔ (سنن ابو داوَد:1464)

عبد الباسط

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ شخصیت و تصانیف، اشکالات و تحقیق کا متقاضی

میرے پیش نظر تین کتب اور ایک شخصیت ہیں، کتب میں :۱۔**الفقہ الاکبر** ۲۔**الآثار** ۳۔ **مسند امام اعظم** شامل ہیں اور شخصیت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ کی ہے۔ان مذکورہ بالا چار عناصر پر علمی حلقوں میں موجود اشکالات کا جائزہ لینا مقصود ہے اور ان پر تحقیق طلب سوالات کی گنجائش اور ان سوالات کے تحقیقی جواب کی راہ تلاش کرنے کی دعوت پیش کرنا چاہوں گا۔

اس سے پہلے کہ میں اشکالات کی طرف بڑھوں اور علم و تحقیق کی راہ لوں یہ واضح کر دوں کہ میں خود حنفی ہوں اور امام صاحب کے علم و فضل کا دل سے معترف ہوں۔اشکالات حسب ذیل ہیں:

1. قلیل الروایہ اور ضعیف الحدیث ہیں۔
2. مرجئہ، جہمیہ اور معتزلہ سے مماثلت کی حقیقت؟
3. کتب ثلاثہ کی نسبت امام اعظم کی طرف کرنے کی حقیقت؟

مذکورہ بالا اشکالات پر مدلل تحقیقی کام وقت کی اہم ضرورت ہے اور اس کام کی تکمیل وقت طلب امر ہے۔تاہم چند اصولی باتیں یہاں بیان کر کر تحقیقی جواب کے لیے مہلت کا طالب ہوں۔

امام ابو حنیفہؒ کی شخصیت، علم و فضل، عقائد و نظریات، فقہ و اصول فقہ اور فتاویٰ جات کا سب سے بڑا مصدر آپ کی ذاتی تصنیفات نہیں ہیں بلکہ عملی زندگی ہے اور اپ کے تلامذہ کی جماعت کا اس میں بنیادی کردار ہے۔ آپ کی عملی زندگی پر دو طرح سے کام کیا گیا۔ تعمیری اور تخریبی۔ محقق کا کام یہ ہے کہ ان دونوں کی نوعیت واضح کرے۔ آپ کے شاگردوں کے کام کا اہم جزو آپ سے کی گئی روایات کی جمع و تدوین اور آپ کے فتاویٰ جات کی جمع و تدوین سے فقہی مسلک کی تدوین کرنا ہے۔ نیز انہوں نے اپنے فتاوی جات اور اختلاف آراء کا اضافہ بھی کیا ہے۔ یہاں محقق پر ایک بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ احادیث وروایات و فتاویٰ صحابہ کی تخریج، امام ابو حنیفہؒ کے فتاویٰ جات کو الگ کرنا اور اصول کا استنباط، اور ان کے تلامذہ کے کام کی حیثیت کا تعین کرنا اور اس دوران پیش آمدہ مسائل کا تعین ایک الگ امر ہے۔

جہاں تک میرا ناقص فہم ہے امام صاحب کی "اپنی" تالیف معدوم ہو چکی ہے ۔ آپ کے تلامذہ کی تصانیف بھی تبدیلیوں کے مراحل سے گزر رہی ہیں اور تعمیری و تخریبی دونوں مقاصد کے لیے استعمال کی جا رہی ہیں۔

مذکورہ بالا کتب ثلاثہ میں سے صرف الفقہ الاکبر یہ حق رکھتی ہے کہ اسے امام اعظم سے منسوب کیا جائے۔ باقی کوئی بھی کتاب تحقیقی طور پر امام صاحب سے منسوب کرنا علمی بد دیانتی ہے چنانچہ اس سے مسائل و سوالات میں اضافہ ہوتا ہے۔

امام صاحب کا علم و فضل ان کی طرف کتب منسوب کرنے سے نہیں بلکہ ان کی عملی زندگی، حلقہ درس اور تلامذہ کی جماعت کے علمی کام کا تحقیقی جائزہ لینے سے واضح ہو گا۔

راستے کا حق

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِيَّاكُمْ وَالجُلُوسَ بِالطُّرُقَاتِ» فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا لَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِيهَا، فَقَالَ: «إِذْ أَبَيْتُمْ إِلَّا المَجْلِسَ، فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ» قَالُوا: وَمَا حَقُّ الطَّرِيقِ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «غَضُّ البَصَرِ، وَكَفُّ الأَذَى، وَرَدُّ السَّلاَمِ، وَالأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ المُنْكَرِ» (صحيح البخاری، رقم الحديث: 6229)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم راستوں میں بیٹھنے سے پرہیز کیا کرو۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ہمارے لیے تو ایک دوسرے سے گفتگو کرنے کے لیے راستوں کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جب تمہارا بیٹھنا ہی ضروری ہے تو راستے کو اس کا حق دے دیا کرو۔ لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ راستے کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نگاہیں نیچی رکھنا، تکلیف دینے سے رکنا، سلام کا جواب دینا، اچھی باتوں کا حکم کرنا اور بری باتوں سے روکنا۔

ڈاکٹر ظہور احمد دانش

آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟

ایک زمانہ تھا کہ ایک شخص گھر کا کفیل تھا اور گھر کے تمام افراد کی کفالت کیا کرتا تھا۔لیکن اب حال یہ ہو گیا ہے کہ گھر کا ہر بالغ شخص ضرورت و آسائشوں کو پورا کرنے کی دوڑ میں بھاگا چلا جا رہا ہے۔ایک ایسی دوڑ کہ جس کی نہ تو منزل کی خبر ہے اور نہ جیت کہاں پہنچ کر ملے گی اس کا بھی کوئی اتا پتا معلوم نہیں۔

یہ تو ایک پہلو تھا اب دوسرا پہلو ایک لفظ جو ہر خاص و عام کی زبان پر جاری ہے۔بالخصوص ایشیائی ممالک میں تیزی سے عام ہوتا چلا جاتا ہے۔لفظ معاشی بدحالی اور "بیروزگاری"۔میں چونکہ یونیورسٹی سے ماسٹر ڈگری کے حصول کے بعد کچھ عرصہ یہ ذائقہ چکھ چکا ہوں لہذا اس کے متعلق بہتر اور دیانتدارانہ معلومات پیش کر سکتا ہوں۔

یہ بات تو حقیقت ہے کہ معاشرے کے بگاڑ میں بے روزگاری نے بھی اہم کردار ادا کر رکھا ہے۔بیروزگاری کے باعث نوجوان یا تو گھر والوں پر بوجھ ہیں یا پھر معاشرے کے لیے ناسور ثابت ہو رہے ہیں۔کہتے ہیں ایک فارغ دماغ شیطان کا گھروندہ ہوتا ہے۔اس فارغ سوچ کے باعث بہت سی اخلاقی برائیاں اور بہت سے مسائل جنم لے رہے ہیں۔یہیں وہ نوجوان ہیں جنہوں نے کچھ معاشرے کے لیے تعمیری کردار ادا کرنا تھا مگر جب فارغ ہوتے ہیں تو چوریاں کرنا، رہزنی جیسے واقعات میں ملوث ہو جانا اور غیر ضروری سرگرمیوں میں پڑ جانا فطری سی بات ہے۔بہت سے ایسے بھی ہیں جو ان مسائل سے پریشانی کے باعث نشے کے عادی بن جاتے ہیں جو کہ سماج کے لیے زہر قاتل ہے۔

آیئے سب سے پہلے ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ اس معاشی بدحالی اور اس بیروزگاری کے مرض کے اسباب کیا ہیں۔تاکہ پھر ہم اس کے حل پر بات کر سکیں۔

ناقص نظام تعلیم:

شعبہ تعلیم کا ناقص ہونا بھی بیروزگاری کا سبب ہے۔اسکول و کالجز میں نصاب تعلیم کو یاد کرنے اور امتحانات پاس کرنے کے زعم میں طلباء کو مستقبل کی پلاننگ کے حوالے سے نابلد رکھا جاتا ہے۔چنانچہ جب وہ فارغ التحصیل ہوتے ہیں تو ان کے پاس ڈگری ہوتی ہے۔ڈگری کی اہلیت نہیں ہوتی۔

جدید ٹیکنالوجی:

بے روزگاری کے اضافے میں صنعت کے لیے انسانوں کے بجائے جدید مشینری، آلات اور ٹیکنالوجی کا استعمال اور صنعتی اداروں کی سرگرمیوں میں کمی کی وجہ سے روزگار کی فراہمی میں کمی ایک اہم سبب ہے۔

غیر منصفانہ نظام:

بیروزگاری کی ایک وجہ سفارشی اور غیر منصفانہ انداز بھی ہے۔ جس میں نااہل کو اہل کی جگہ مواقع دینا۔اس سے اہل لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں اور یوں اداروں میں نااہل شخص کی وجہ سے کمزوریاں باقی رہتی ہیں۔ ادارے بند ہوتے ہیں اور لوگ بیروزگار ہو جاتے ہیں۔

فنی و ٹیکنیکل تعلیم کی کمی و مہارت کی کمی:

ہم غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ بے روزگاری کا ایک سبب مہارت کی کمی ہے۔ طلباء اداروں سے ڈگری کے حصول کے لیے جستجو کرتے ہیں۔ اس علم کی باریکیوں پر مہارت حاصل نہیں کرتے نیز تیکنیکی و فنی تعلیم میں بھی کم مائیگی اور دلچسپی کا نہ ہونا بھی بیروزگاری کی وجہ ہے۔ جبکہ کسی بھی شعبہ میں حاذق و ماہر ہونا نہایت اہم اور ضروری ہے۔

غیر مستقل مزاجی:

بیروزگاری و معاشی پسماندگی کی دیگر محرکات میں سے ایک محرک یہ بھی ہے کہ لوگ مزاجاً غیر مستقل مزاج ہوتے ہیں۔ کسی ایک نوکری، کسی ایک ادارے میں ٹک کر ملازمت کرنا ان کا مزاج نہیں ہوتا ہے۔ جس کی وجہ وہ ادارے بدلتے رہتے ہیں نوکری چھوڑنے کے بعد دوسری جگہ نوکری کی تلاش میں جُت جانا یوں بیروزگاری کی فضا بنتی چلی جاتی ہے۔

اپنے خود ساختہ سٹینڈرڈ قائم کرنا:

نوجوانوں کو ابتدائی تعلیم کے بعد کوئی بہتر رہنمائی نہیں ملتی کہ مارکیٹ لیول پر کس قسم کی جابز اور بزنس کی مانگ زیادہ ہے اور جس نوجوان کے ہاتھ میں ڈگری آجائے وہ بڑے جاب کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے اور نچلی سطح کی جاب میں عار محسوس

کرتا ہے۔لہذا اس انداز سے بھی معاشرے میں بیروزگاری کا ماحول بنتا ہے۔خاندان کے خاندان پریشان رہتے ہیں کہ گھر کا کفیل ہاتھ پہ ہاتھ دھرے اسٹینڈر کی جاب کا متلاشی ہے۔

علاقائی سطح پر روزگاری کے مواقع تقسیم نہ کرنا:

اپنے علاقے،ملک اور معاشرے کے افراد کے بجائے دوسرے علاقوں اور ممالک کے افراد کو نوکریاں دینا کسی بھی علاقے کے اندر بے روزگاری کا سبب بن سکتا ہے

بدلتے حالات وواقعات:

ان کے علاوہ کساد بازاری،موسموں کا تغیرّ،ملکوں کی باہمی جنگیں،سستی وکسل مندی اور والدین کی کمائی پر قناعت اور دیگر عالمی معاشی اسباب بھی بے روزگاری میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔

باہم روابط:

گھر سے پڑوس اور پڑوس سے محلہ اور محلہ سے علاقہ سطح پر باہمی روابط کی فضا قائم کرنے سے اخوت وبھائی چارہ کا ماحول بنے گا۔جس کا فائدہ یہ ہو گا کہ یونٹی کی صورت میں سب ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں گے۔مشکل سکھ دکھ میں دست راست بنیں گے۔یوں معاشی مشکلات کا بھی تدارک ممکن ہو گا۔

صنعت وحرفت:

ایسے زون کا قیام عمل میں لایا جائے جہاں لوگوں کو فنی تعلیم مفت یا پھر مناسب فیس کی مد میں سیکھنے کے مواقع ہوں ۔اس سے وہ لوگ جو معاشرے پر بوجھ ہیں اور معاشی بدحالی کا شکار ہیں فن سیکھ کر خود کفیل بن سکتے ہیں ۔ محترم قارئین یہ تو معاشی پسماندگی کے مسائل تھے۔لیکن اب اس بات پر غور کرتے ہیں کہ ان کا حل کیا ہے۔اس معاملے میں اسلام نے ہماری مکمل رہنمائی فرمائی ہے۔

☆:اسلام دین فطرت ہے اور اس کی تعلیمات عالمگیر حیثیت رکھتی ہیں۔چنانچہ مسلمان معاشرے کا فرد اپنی معاشی ضروریات میں دوسروں پر بوجھ بننے کے بجائے خود ہی معاشی کوششیں کرے۔

☆:اسلام نے سخت ضرورت اور اضطراری حالت کے بغیر دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور بھیک مانگنے سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ " جو شخص باجود قدرت وطاقت کے لوگوں سے بھیک مانگتا ہے وہ قیامت کے دن چہرے پر سوال کا داغ لیکر آئیگا۔ (سنن الترمذی)

☆:اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ حکام بے روزگاروں کو روزگار کے مواقع فراہم کریں۔ ایسے راستے اپنائے جائیں جس سے روزگار کے مواقع پیدا ہوں۔

☆:اگر اسلامی اصلاحات کی بات کریں تو اس اعتبار سے زکوٰۃ اور خراج کا نظام درست کرے اور اس سے مستحق لوگوں کی امداد اور بے روزگاروں کے لیے روزگار فراہم کیا جائے۔

☆ بے روزگاروں اور عاجز لوگوں کو قرض حسنہ فراہم کیا جائے تاکہ وہ اپنا کوئی کاروبار اور تجارت کر سکیں۔

اسلام نے معاشی پسماندگی کو کم کرنے کے لیے مکمل ایک ضابطہ بنا رکھا ہے۔ بس بات یہ ہے کہ اگر اس کو عملی جامہ پہنایا جائے تو اس کے خاطر خواہ نتائج و ثمرات میسر آسکتے ہیں۔ اگر ایک جملے میں معاشی پسماندگی کو اسلام کے پیرہن میں بیان کروں تو وہ یہ ہے کہ اسلام نے کچھ نظام پیش کیے ہیں۔ جن پر عمل کرکے اس طوفان کو روکا جاسکتا ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں (۱)نظام زکوٰۃ،(۲)نظام خیرات (۳)نظام میراث (۴)نظام اوقاف

حالات وواقعات کے پیشِ نظر یہ وہ بنیادی مسائل اور ان مسائل کے بنیادی حل جو پیش کئے گے ہیں۔ میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ اس مضمون کو آپ کے لیے زیادہ سے زیادہ نفع بخش بناسکوں۔ میں کس حد تک کامیاب ہوا یہ اس کا انداز آپ کی عملی زندگی میں آنے والی تبدیلی اور میرے حق میں آپ کی دعاوں سے ہو گا۔

فرمان نبوی ﷺ

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكِبِي فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرْ الصَّبَاحَ وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرْ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا کہ: تم دنیا میں اس طرح رہو گویا تم مسافر ہو یا راستہ طے کرنے والے ہو۔ اور ابن عمر کہا کرتے تھے کہ: جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرو اور اپنی صحت کے اوقات سے اپنی مرض کے اوقات کے لیے حصہ لے لو اور اپنی زندگی کے وقت سے اپنی موت کے لیے کچھ حصہ لے لو۔ (صحیح البخاری:6416)

جاوید رشید

تبصرہ کتاب

کتاب کا نام: The Secret of a Successful Family Life

تالیف: وحید الدین خان **سن اشاعت:** 2010

ناشر: گڈورڈ بکس، دہلی **صفحات:** 71

قیمت: درج نہیں

وحید الدین خان صاحب کا شمار دنیا کے پانچ سو با اثر مسلمانوں میں کیا جاتا ہے. وہ ایک نامور عالم، فلسفی اور استاد ہیں جو اپنے عقیدے کا مجسم نمونہ ہیں. وہ 1925 میں ہندوستان کے شہر اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے. انہوں نے تعلیم ایک دینی مدرسے سے حاصل کی اور اپنی زندگی کو عربی زبان سیکھنے کے لئے وقف کر دیا تا کہ وہ اسلام کے علمی اثاثے کو اس کی اصلی زبان عربی میں پڑھ اور سمجھ سکیں۔ بعد ازاں انہوں نے انگریزی زبان بھی سیکھی تا کہ وہ جدید سائنس اور فلسفے کا مطالعہ کر سکیں۔ ان کی ابتدائی کتابوں میں ان کی معرکۃ الآرا کتاب "مذہب اور جدید چیلنج" بھی شامل ہے۔ یہ کتاب 1966 میں لکھنو سے شائع ہوئی اور اسلامی دنیا کی اکثر جامعات میں مطالعہ کے نصاب میں شامل ہے. خان صاحب نے اپنی تحریروں کے ذریعے اسلام کی آئیڈیالوجی کو اس طرح واضح کیا ہے کہ وہ آج کے ذہن کے لیے قابل فہم ہو سکے۔ ان کے مطابق وہ تقلیدی اسلام کے حامی ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ وہ قدیم بات کو جدید اسلوب میں بیان کرتے ہیں۔ خان صاحب کی تحریروں میں معرفت الٰہی، غور و فکر، علمی نشو نما، امن اور خاندانی تعلقات سے متعلق موضوعات بکثرت نظر آتے ہیں۔

انسانی تہذیب کی ابتدا خاندان سے ہوئی اور تہذیب انسانی کے پہلے خاندان کی بنیاد زمین پر آدم و حوا کو بھیج کر ڈالی گئی۔ شوہر اور بیوی کا رشتہ ایک ادارے کی مانند ہے جو اگر کمزور ہو تو پورا خاندان کمزور ہو جاتا ہے۔ وحید الدین خان صاحب کی زیر تبصرہ کتاب اسی موضوع پر ہے کہ کس طرح شوہر اور بیوی ایک کامیاب اور خوش و خرم زندگی گزار سکتے ہیں اور اس طرح خاندان اور معاشرے کی تعمیر میں مثبت کردار ادا کر سکتے ہیں. معاشرے کی تعمیر میں خاندان کی اسی اہمیت کے پیش نظر میں نے تبصرے کے لیے اس کتاب کا انتخاب کیا ہے.

کتاب کے سر ورق کے پس منظر میں سورج مکھی کا پھول ہے جو احترام، عزت، وفاداری، اور محبت کی علامت ہے۔ سورج مکھی کو خوشی کا پھول بھی کہا جاتا ہے۔ کتاب میں بہت سادہ اور سہل زبان استعمال کی گئی ہے۔ یہ کتاب چھوٹے چھوٹے بیالیس ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب میں غور و فکر اور عمل کے لیے ایک نکتہ موجود ہے جو ایک کامیاب ازدواجی زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے۔ خان صاحب نے اپنی زندگی کے تجربات اور مختلف لوگوں سے ازدواجی زندگی کے مسائل پر گفتگو اور اس حوالے سے دیے گئے مفید اور قیمتی مشوروں کو اس کتاب کا حصہ بنایا ہے۔ کتاب اس طرح لکھی گئی ہے کہ اس کا تسلسل سے شروع سے آخر تک پڑھنا ضروری نہیں، کتاب کا ہر باب ایک جداگانہ حیثیت کا مالک ہے۔ خان صاحب کا روایتی انداز تحریر ہمیں اس کتاب میں بھی نظر آتا ہے جو اس سے پیشتر ان کی کتابوں راز حیات اور کامیاب زندگی میں نظر آیا تھا، جو بہت مختصر اور پر اثر ہے اور قاری کو سوچنے پر آمادہ کرتا ہے۔ خان صاحب قرآن اور سنت کی روشنی میں اپنی بات کو ایسے پیرائے میں بیان کرتے ہیں کہ قاری غور و فکر پر مجبور ہو جاتا ہے اور پھر اس غور و فکر کے نتیجے میں اپنے مسائل کا حل تلاش کر لیتا ہے۔ انہوں نے نازک موضوعات مثلاً عورتوں کے کردار، صنفی مساوات اور ایک سے زیادہ شادیوں پر مدلل انداز میں اسلامی پہلوؤں کی صحیح تصویر کشی ہے۔

بچوں کی خوش و خرم ازدواجی زندگی کے لیے والدین کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کتاب میں صرف شوہر اور بیوی نہیں بلکہ والدین کے لئے بھی مفید مواد موجود ہے تاکہ وہ اس کی روشنی میں اپنے بچوں کی ازدواجی زندگی کو کامیاب بنانے اور معاشرے کی تعمیر کے لئے صحیح کردار ادا کر سکیں۔

کتاب کے مرکزی موضوع پر بات کرنے سے پہلے کتاب کے پہلے باب میں انہوں نے بڑے زاویہ نگاہ سے زندگی کی تنظیم کے حوالے سے ایک فن کا ذکر کیا ہے جسے وہ The Art of Life Management کہتے ہیں. وہ کہتے ہیں:

The art of Life Management means, on the one hand man understanding himself, (i.e. he should know who he is, what his capabilities are) and, on the other hand, his becoming aware of the world around him. Then he may plan his life in a realistic manner, and make improvements whenever and wherever required.

دوسرے باب میں وہ کامیاب ازدواجی زندگی کے لئے شوہر اور بیوی کے لیے The Art of Failure Management سیکھنے کو لازمی قرار دیتے ہیں. ان کے الفاظ میں:

The Art of Failure Management lies in not looking at marriage as something ideal, but as a practical matter and then accepting one's partner the way he or she is.

وحید الدین خان صاحب نے بہت صحیح نشاندہی کی ہے کہ اللہ تعالی نے عورت اور مرد کو مختلف مزاج اور صلاحیتوں سے نوازا ہے ہے, ان کے سوچنے کا انداز مختلف ہے، ہمیں کوئی اختیار نہیں کہ کہ ہم ان کو بدلنے کی کوشش کریں۔ ان کے مطابق شوہر اور بیوی کو اس تضاد کے ساتھ ایڈجسٹ کرنا سیکھنا چاہیے۔ اس فن کو وہ The Art of Difference Management کہتے ہیں۔

پہلے تین تمہیدی ابواب جس میں مولانا نے کسی بھی تعلق کو کامیاب بنانے کے مندرجہ بالا اصول بیان کیے ہیں، کے بعد باقی ابواب میں انہوں نے ان اصولوں کی بنیاد پر شادی شدہ بچے بچیوں اور ان کے والدین کے لیے کارگر tips فراہم کی ہیں۔

کسی بھی کتاب کو پڑھنے سے پہلے قاری کتاب اور مصنف کا تعارف اور ناشر کی کتاب کو شائع کرنے کے پس پردہ مقاصد جاننا چاہتا ہے۔ کتاب کے شروع میں اس حوالے سے کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ کتاب میں پیش لفظ، مصنف کا تعارف، عرض ناشر اور دیباچہ وغیرہ موجود نہیں ہیں۔ اگلے ایڈیشن میں ان موضوعات کا اضافہ کتاب کی خوبصورتی اور جامعیت میں اضافہ کا باعث ہو گا۔ کتاب کے آخر میں حروف تہجی کے اعتبار سے انڈیکس کا ہونا کتاب کو ایک ریفرنس گائیڈ کی اضافی خوبی کا مالک بنا دیتا ہے۔ اردو کی اکثر کتابوں کی طرح اس کتاب میں بھی اس چیز کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔

جہاں یہ کتاب شادی شدہ افراد اور وہ نوجوان مرد اور خواتین جن کی شادیاں ہونے والی ہیں کے لئے مفید ہے، وہیں اس کتاب کا مطالعہ والدین کے لیے بھی ضروری ہے تاکہ وہ اپنے بچوں کو شادی سے پہلے شادی کے بعد کے مراحل، ذمہ داریوں اور ازدواجی زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے مطلوبہ تربیت فراہم کر سکیں اور ان کی شادی شدہ زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے ایک کارساز ماحول فراہم کر سکیں۔ یہ کتاب اسلامی لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ ہے جسے ہر لائبریری کی زینت ہونا چاہئے۔ فی الحال یہ کتاب پاکستان میں دستیاب نہیں ہے لیکن ایمیزون پر آن لائن آرڈر کے لیے دستیاب ہے. اس کتاب کا PDF Version سی پی ایس گلوبل کی ویب سائٹ سے بھی اتارا جا سکتا ہے۔ لنک درج ذیل ہے۔

https://cpsglobal.org/books/The-Secret-of-a-Succsessful-Family-Life.pdf

محمد رضوان

منتہائے خیال

عبد اللہ اٹھارہ انیس سال کا ایک نوجوان ہے اور وہ انٹر پارٹ ون کا طالب علم ہے۔ درمیانہ قد، سمارٹ جسم اور چہرے پر گہری بھنویں اس کے چہرے پر بہت بھلی لگتیں۔ عبد اللہ کے بال اکثر بکھرے رہتے اور وہ اپنے ہی خیالات میں گم رہتا۔ اس نے بہت لا ابالی طبیعت پائی تھی۔ وہ کوئی بھی کام تسلسل سے کرنے کا عادی نہیں تھا۔ کسی کام کے پیچھے پڑ جاتا تو اڑ تالیس اڑ تالیس گھنٹے بھی مسلسل اسے بغیر سوئے کر لیتا۔ طبیعت میں نرمی اور شائستگی اتنی کہ جو بھی اس سے ملتا اس کا گرویدہ ہو جاتا۔ گھر والوں اور دوستوں کی محبتیں اور ہمدردیاں سمیٹنے میں بھی اسکا کوئی ثانی نہیں تھا۔ خیالات ایسے کہ کسی بھی طبقے کا فرد نہ لگے۔ دوسروں کے درمیان موجود ہوتے ہوئے اتنا گم کہ خود سے بھی بیگانہ۔

عبد اللہ شام کے وقت اکثر سو جاتا اور اس عادت کی وجہ سے گھر والوں سے کئی دفعہ ڈانٹ بھی کھا چکا تھا۔ وہ اکثر کالج کے بعد ٹیوشن پڑھنے جاتا اور شام کے وقت واپس آتا اور کھانا کھا کر سو جاتا۔ آج کل نہ ہی تو وہ کالج جا رہا تھا اور نہ ہی ٹیوشن پڑھنے کیونکہ انٹر بورڈ کے امتحانات ہونے والے تھے۔ لیکن آج بھی عبد اللہ حسب معمول عصر کے بعد سو گیا۔ جب عبد اللہ کی آنکھ کھلی اور اپنے کمرے سے باہر آ کر دیکھا تو سب گھر والے سو رہے تھے۔ عبد اللہ کی نظر جیسے ہی سامنے والی دیوار پر لگے ہوئے وال کلاک پر پڑی وہ فوری الٹے قدموں واپس پلٹا اور الماری میں سے کتابیں نکالنے لگا۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے اور دو دن بعد اسکا بورڈ کا پہلا امتحان تھا اور وہ بھی ریاضی کا۔ ریاضی عبد اللہ کا پسندیدہ مضمون تھا اور عبد اللہ ریاضی میں ویسے بھی اچھا تھا، اس کے ایک استاد اسے اکثر کہتے کہ تم انجینئر بننے کی بجائے ریاضی دان بننا۔

عبد اللہ نے الماری سے چند کتابیں اور ایک رجسٹر نکال کر بستر پر پھینکا اور منہ دھونے کے لیئے واش روم کی طرف چل دیا۔ اس نے جلدی جلدی پانی کے کچھ چھینٹے اپنے چہرے پر مارے اور رومال سے ہاتھ منہ صاف کر کے اپنے بستر پر جا بیٹھا۔ عبد اللہ امتحانات کے دنوں میں ہی صرف توجہ سے پڑھائی کرتا۔ اس نے ریاضی کی کتاب کھولی اور ساتھ ہی گیس پیپرز کھول لیئے۔ عبد اللہ نے گیس پیپرز سے پچھلے پانچ سالوں کے امتحانات میں پوچھے گئے سوالات پر نشان لگانا شروع کر دیا۔ جو سوال جتنی مرتبہ اسے گیس پیپرز میں سے ملتا وہ اس پر اتنی دفعہ ہی نشان لگا لیتا تاکہ اسے دیکھ کر ہی اندازہ ہو سکے کہ کون سا سوال گیس پیپرز کے مطابق زیادہ اہم ہے۔ گیس پیپرز سے ملے تمام سوالات پر نشانات لگانے کے بعد عبد اللہ نے ان سوالات کو ایک ایک کر کے حل کرنا شروع کیا۔

عبد اللہ کی ایک عادت تھی کہ وہ جب ایک ہی جیسے سوالات حل کرتا تو انکا ایک کلیہ بنا لیتا جو کہ روایتی کلیے سے بالکل مختلف ہوتا اور پھر اس کلیے کو یاد کر لیتا۔ عبد اللہ کے دوست اس کے بنائے ہوئے پیٹرن یا کلیے کو اکثر عبد اللہ کا دیسی ٹوٹکا کہتے اور

عبد اللہ کے دیسی ٹوٹکوں سے مستفید بھی ہوتے۔ عبد اللہ ریاضی میں اپنے ان دیسی ٹوٹکوں کی وجہ سے کلاس فیلوز میں کافی مشہور تھا۔ آج بھی عبد اللہ یہی کر رہا تھا۔ وہ نشان زدہ سوالات کو حل کرتا اور ایک جیسے سوالات کا کلیہ بناتا اور پھر کچھ مزید سوالات پر اپنے اس کلیے کو اپلائی کرتا۔ اس طرح عبد اللہ تمام سوالات کو حل کرنے کی بجائے کچھ سوالات ہی حل کرتا تاکہ زیادہ سے زیادہ تیاری کر سکے۔

عبد اللہ نے ابھی ایک ہی سبق کے منتخب شدہ سوالات حل کئے تھے کہ اس نے تین نکات پر مشتمل ایک اپنا کلیہ بنایا۔

۱۔ مفروضہ قائم کرو۔

۲۔ موجودہ قوانین پر اپنے مفروضے کو پرکھو۔

۳۔ درست ثابت نہ ہو تو مان جاؤ کہ مفروضہ غلط تھا۔

دراصل اس نے method of contradiction کا اپنی سہولت کے لئے ایک کلیہ اخذ کر لیا۔ ابھی وہ اپنے بنائے ہوئے کلیے کے مطابق پہلا سوال ہی حل کر رہا تھا کہ اس کا قلم رک گیا اور اس کا دماغ اور ہی خیالوں میں گم ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو یہی کیا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو مفروضہ قائم کیا تھا کہ میرا رب وہ ہو گا جس کو زوال نہیں۔ سورج کی بلندی اور تپش دیکھی تو کہا یہ میرا رب ہے لیکن جب شام کو اسے ڈھلتے دیکھا تو کہا کہ نہیں یہ میرا رب نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تو زوال پذیر ہے۔ عبد اللہ نے اپنے ذہن میں ایک جھٹکا محسوس کیا اور پھر خیالوں کی دنیا میں گم ہو گیا۔ اتنا گم کہ اسے ہوش ہی نہیں رہا کہ وہ امتحان کی تیاری کر رہا تھا۔ سمندر کی موجوں کی طرح خیالات اس کے دماغ میں امڈ رہے تھے اور اس کے لب بڑبڑا رہے تھے۔

ہمارے معاشرے میں یہ سیکولر اور نام نہاد دانشوروں کا بھی ایک عجیب ٹولہ پیدا ہو گیا ہے جس کو سول سوسائٹی کے نام سے لیبل کیا جاتا ہے۔ جن کا نہ کوئی دین ہے نہ ایمان اور نہ انسانیت۔ ایک طرف حقوق کے علمبردار اور دوسری طرف حقوق سلب کرنے میں ہٹلر سے بھی جابر۔ ایک طرف آزادئِ رائے کے شیدا اور دوسری طرف اتنے ہی کٹر جتنا کہ وہ مولوی جس پر تنقید انکا فرض اولین ہے۔ عبد اللہ سوچنے لگا کہ یہ کلیہ Method of contradiction تو آفاقی کلیہ لگتا ہے پھر ایک طبقہ کی نظر میں جدید علوم "کفر کی سند" اور دوسرے طبقے کے ہاں مذہبی تعلیمات "علم" کا درجہ کیوں نہیں رکھتیں۔ سہی کہتے ہیں پروفیسر احمد رفیق اختر کہ عقل جہاں سوچنا بند کر دے وہیں ایک بت تعمیر ہو جاتا ہے۔ مولوی حضرات نے بھی اپنا ایک بت کدہ تعمیر کیا ہوا ہے جس میں جدید علوم ان کے بنائے ہوئے مندر کو پلید کرتے ہیں اور ایک عام گنہگار شخص ان کی نظر میں ملیچھ ہے اور دوسرے مکتبہ فکر کا شخص کافر۔ عبد اللہ سوچنے لگا کہ کلمے کا پہلا حصہ بھی تو یہی method of contradiction ہے۔ لا، مفروضہ قائم کرو کہ کوئی رب نہیں ہے۔ اب اس مفروضے پر غور کرو، موجودہ قوانین پر پرکھو۔

غور کرو تو معلوم ہو گا کہ، نہیں ہے، مگر ایک رب تو ہے۔ ایک ہستی تو ہے جس کے کُن کہنے پر سب ہو تا ہے۔ ایک ہی ہے دو ہوتے تو فساد ہو تا۔

نہاد زندگی میں ابتدا 'لا'، انتہا 'الا'

پیام موت ہے جب لا ہوا اِلّا سے بیگانہ

ہاں یہ نام نہاد دانشور طبقہ نے بھی بت تعمیر کیا ہوا ہے انکی عقل بھی لا پر آکر رک گئی ہے۔ اس کے آگے انہوں نے سوچا ہی نہیں۔ method of contradiction کو انہوں نے بھی پورا اپلائی نہیں کیا ہو گا جبھی تو بت تعمیر ہو گیا۔ لا پر ہی رک گئے۔ سوچتے تو ضرور پاتے۔ سوچتے تو تب ہی۔ انہوں نے بھی نہیں سوچا۔ نہیں سوچا جبھی تو تنقیدی مزاج ہے۔ کتنے بیوقوف ہیں یہ اپنے ایجاد کردہ علم کے مطابق بھی نہیں سوچتے۔ گیلیلیو کہے کہ ارسطو غلط تھا تو گیلیلیو کو مانتے ہیں اور ساتھ میں ارسطو کو بھی مفکر مانتے ہیں۔ مانتے ہیں کہ ارسطو کے مقابلے میں گیلیلو درست تھا مگر ارسطو کی تعلیمات کا رد نہیں کرتے ان کی علمی کاوش کو آج بھی گردانتے ہیں۔ مولوی طبقہ سے علمی غلطی ہو جائے کہ سپیکر حرام ہے تو طعنہ اور تشنیع شروع ہوتی ہے کہ جب خود ٹی وی پر آتے ہیں تو تصویر اور سپیکر حلال ورنہ حرام۔ کیوں ان کی غلطی کو علمی غلطی تسلیم نہیں کیا جاتا۔ کیوں مذہبی تعلیمات کو علم کی شاخ تصور نہیں کیا جاتا۔ کیا یہ بھی اتنے ہی Fundamentalist ہیں۔ ہاں یہاں ہر کوئی Fundamentalist ہے اپنی سوچ اور فکر کا Fundamentalist جس میں دوسرے کو اختلاف کا حق نہیں۔

عبد اللہ اپنی انہیں سوچوں میں گم تھا اور خود سے ہی سوال و جواب میں مگن تھا کہ فجر کی اذان سن کر چونکا۔ اور اقبال کی نظم گنگناتے ہوئے مسجد کی طرف چل پڑا۔

خودی کا سرِ نہاں لا الہٰ الا اللہ

خودی ہے تیغ، فساں لا الہٰ الا اللہ

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے

صنم کدہ ہے جہاں، لا الہٰ الا اللہ

کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا

فریبِ سود و زیاں، لا الہٰ الا اللہ

یہ مال و دولت دنیا، یہ رشتہ و پیوند

بتانِ وہم و گماں، لا الہٰ الا اللہ

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زُناری

نہ ہے زماں نہ مکاں، لا الہٰ الا اللہ

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند

بہار ہو کہ خزاں، لا الہٰ الا اللہ

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں

مجھے ہے حکم اذاں، لا الہٰ الا اللہ

محمد ثوبان

غیر جانبدارانہ احتساب

عارف سخت گرمی میں گھر کا کچھ سامان بازار سے خرید کر لایا۔ ابھی آکر بستر پر لیٹا ہی تھا کہ اُسے ایک اور پرچی تھما دی گئی اور کہا گیا کہ دوبارہ بازار جا کر یہ کچھ اور چیزیں بھی خرید کر لاؤ۔ باہر سخت گرمی تھی۔ عارف کا اُٹھنے کو جی نہ چاہا۔ اس نے غصے میں آکر کہا "میں دوبارہ بازار نہیں جاؤں گا۔" اسی غصے میں عارف کی جانب سے کچھ تلخ کلامی بھی ہو گئی۔ وہ اپنے اِس رویے کو جائز خیال کر کے اپنے بستر پر بضد ہو کر لیٹا رہا کیونکہ وہ اپنے آپ کو حق بجانب خیال کر رہا تھا۔

چند ہی لمحوں کے بعد عارف نے اپنا غیر جانبدارانہ محاسبہ کیا۔ عارف کو اُسکی خود ساختہ توجیہات بے معنی سی معلوم ہونے لگیں۔ اُسکی تمام توجیہات اپنے نفس کی تسکین تو ہو سکتی تھیں مگر حق بجانب نہیں ہو سکتی تھیں۔ جلد ہی عارف پر اُسکی غلطی واضح ہو گئی۔ اُس نے اخلاقی طور پر ایک غلطی کی تھی اور قیامت کے دن اُسے اپنے اسی اخلاقی وجود کے ساتھ ربِ کائنات کے حضور پیش ہونا تھا۔ وہاں ہر انسان کی ذرہ ذرہ نیکی اور برائی کا حساب ہونا تھا۔ عارف نے فوراً اپنے رب کے حضور توبہ کی اور آئندہ ہر طرح کی اخلاقی برائیوں سے بچنے کا عزم کر لیا۔

ہر انسان کے ساتھ اِس دنیا میں ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن کے ردِ عمل میں وہ اخلاقی جرائم کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ مگر انسان اپنے نفس کی تسکین کی خاطر اپنے اخلاقی جرائم کو مختلف توجیہات کا لباس پہناتا ہے۔ یہ توجیہات اِس دنیا میں تو قابلِ قبول ہو سکتی ہیں مگر روزِ قیامت یہ سب بے معنی ہو کر رہ جائیں گی۔ انسان سے اسکے حسین الفاظ چھین لیے جائیں گے جن سے وہ دنیا میں اپنے غلط کاموں کی توجیہات لوگوں کے سامنے پیش کیا کرتا تھا۔ وہاں تمام حجاب اُٹھ جائیں گے۔ حقیقت اپنی کلی شکل میں آشکار ہو جائیگی۔ انسان اپنے آپ کو حقیقت کے سامنے بے بس اور مجبور پائے گا۔ ہائے! وہ کیسا لمحہ ہو گا جب بڑے بڑے شعلہ بیاں مقرروں کے الفاظ کھو جائیں گے۔ بڑے بڑے واعظ شرمندہ و خاموش کھڑے ہوں گے۔ لوگوں کو اپنی بے معنی اور جھوٹی دلیلوں کے سحر میں مبتلا کر کے داد سمیٹنے والوں کے الفاظ بے معنی ہو کر رہ جائیں گے۔ اسی اثناء میں یہ تمام لوگ بارگاہِ الٰہی سے مردود ٹھہرائے جائیں گے اور اِنھیں جہنم کے تاریک گڑھوں میں پھینک دیا جائے گا جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔

انسان کے پاس آج موقع ہے کہ وہ اپنا غیر جانبدارانہ احتساب کرتا رہے اور ہر غلطی پر اللہ سے معافی مانگ لے اور آئندہ ہر کام کرنے سے پہلے اپنے آپ کو اللہ کی عدالت میں کھڑا کر کے دیکھ لے کہ آیا اُسکی توجیح وہاں قابلِ قبول ہو گی بھی یا نہیں؟ اگر جواب نہیں میں ہے تو ہر وہ کام ترک کر دے جو اللہ کے حضور ہمیں شرمندہ کرنے والا ہے۔

شاہ فیصل ناصر

سفر نامۂ حج 1440ھ (قسط اول)

ہر مسلمان کی اپنے دینی مراکز مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے والہانہ محبت ہوتی ہے۔ یہ آرزو و تمنّا ہر شخص کی دل میں ہوتی ہے کہ وہ ان مقدس مقامات کی زیارت کرکے وہاں کی برکات سے مستفید ہوسکے۔ حجاز مقدس سے مسلمانوں کی اتنی گہری محبت کیوں نہ ہوگی کہ یہ "اُم القُریٰ" ہے، یعنی تمام دنیا کا مرکز۔ یہاں اللہ کا عظیم وقدیم گھر بیت اللہ ہے، جس کی طرف روزانہ صلوٰۃِ خمسہ میں قبلہ رو ہونا فرض ہے۔

اس کے اندر بہت سی نشانیاں ہیں۔ کعبہ مشرفہ، حجر اسود، ملتزم، حطیم، رکن یمانی، مقام ابراہیم، آب زم زم اور صفا و مروہ ہیں۔ یہاں ایک مقبول نماز کا اجر دنیا کے دوسرے مقامات کی نسبت ایک لاکھ گنا افضلیّت رکھتا ہے۔ انسان اپنی اوسط عمر(60-50 سال) میں اگر پابندی سے پنج وقتہ نمازیں ادا کریں پھر بھی بیت اللہ الحرام میں ادا کی گئ ایک نماز کی فضیلت کو نہیں پہنچ سکتی۔ یہی فضائل اور برکات ہر مسلمان کو اپنی طرف کھینچ کر شوقِ زیارت میں اضافہ کرتے ہیں۔ اس لئے شریعتِ مطہرہ نے یہاں کی زیارت کو عبادت قرار دیاہے، جسے "حج وعمرہ" کہتے ہیں۔

حج اسلام کا وہ اہم رکن ہے جو قولی، بدنی، قلبی اور مالی عبادات کا مجموعہ ہے اور عمر بھر میں بشرطِ استطاعت ایک بار فرض کیا گیا ہے۔ حج، عبادت کے ساتھ ساتھ اللہ کے ساتھ محبت کا ایک دلچسپ سفر اور سیاحت بھی ہے، جہاں دنیا بھر کی مختلف ممالک اور اقوام سے آئے ہوئے مختلف رنگوں، نسلوں اور زبانوں والے لاکھوں مسلمانوں کے اس عظیم اجتماع میں دنیا کے بہترین مقامات پر چند ایام گذار کرنا قابل فراموش یادوں کا ایک گلدستہ بناتا ہے۔ جو نہ صرف بیان کرنے والے کیلئے دلچسپی اور سرور کا باعث بنتاہے، بلکہ سننے اور پڑھنے والے بھی یکساں محظوظ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالی کی خصوصی فضل وکرم سے سال 2019 کو حجاج کرام کی قافلے میں ہمیں بھی شامل ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ ادائیگی فرض کے ساتھ ساتھ وہاں کے دلچسپ واقعات اور ناقابل فراموش یادداشتوں کا ایک حصہ بھی اپنے ساتھ محفوظ کرلیاہے، جسے میں اس مضمون کے ذریعے آپ کے ساتھ شیئر کرنے کی کوشش کروں گا۔ ہمارے سفر کا دورانیہ یکم ذی الحج 1440ھ سے 12 محرم 1441ھ بمطابق 2 اگست تا 11 ستمبر 2019ء تھا۔

جاری ہے۔۔۔

ابو امامہ محمد علی الفلاحی

ذِکرِ الٰہی بے اثر کیوں؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ (سورۃ العنکبوت: ۴۵)

جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھئے اور نماز قائم کریں، یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، بیشک اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے، تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خبر دار ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہم لوگ صلوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں، اللہ کا ذکر بھی کرتے ہیں مگر ہماری زندگیوں اور سیر توں پر اس کے اثرات مرتب نہیں ہوتے۔ ذکرِ الٰہی کے بے اثر ہونے کے اسباب کا اگر خود قرآن مجید سے مطالعہ کیا جائے تو سات اسباب ہمارے سامنے آتے ہیں، اگر مزید غور و تلاش کیا جائے تو مزید اسباب تک رسائی بھی ممکن ہیں، وہ سات اسباب درج ذیل ہیں:

1۔ محبت کا نہ ہونا

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ (سورۃ البقرۃ: 165)

اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں

2- سمجھ کا نہ ہونا

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

(سورۃ آل عمران: 191)

جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمانوں و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے پرور دگار! تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا، تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے

3 – ٹھہراؤ، استقلال، اطمینان کا نہ ہونا

كان يُقَطِّعُ قِراءَتَهُ آيةً آيةً: الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ثُمَّ يَقِفُ: الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ثُمَّ يَقِفُ- (صحيح الجامع 5000)

اللہ کے رسول کی قرات ٹھہر ٹھہر کر آیت آیت ہوتی تھی ، الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (پڑھتے) پھر ٹھہر جاتے، پھر الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (پڑھتے) پھر ٹھہر جاتے۔

4 - زیادہ نہ ہونا- کثرت سے نہ ہونا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا، وَسَبِّحُوهُ

مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرو اور صبح و شام اس کی پاکیزگی

بُكْرَةً وَأَصِيلًا (سورة الأحزاب:41-42)

بیان کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (سورة الأنفال:٤٥)

اے ایمان والو! جب تم کسی مخالف فوج سے بھڑ جاؤ تو ذابت قدم رہو اور بکثرت اللہ کو یاد کرو تا کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو

كان النبی صلی الله علیه وسلم یذکر الله علی كل احیانه (صحیح البخاری ٦٣٤)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب وقتوں میں اللہ کو یاد فرمایا کرتے تھے۔

5 - ہیشگی کا نہ ہونا

وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ - وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ (سورة الزخرف:36-37)

اور جو شخص رحمٰن کی یاد سے غفلت کرے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں وہی اس کا ساتھی رہتا ہے اور وہ انہیں راہ سے روکتے ہیں اور یہ اسی خیال میں رہتے ہیں کہ یہ ہدایت یافتہ ہیں۔

6 - بے یقینی

هَٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ (سورة الجاثية:٢٠)

یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بصیرت کی باتیں اور ہدایت و رحمت ہے اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ (سورة السجدة:24)

اور جب ان لوگوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے

7 - پرہیز کا نہ ہونا

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ (سورة المؤمنون:3)

جو لغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا (سورة الفرقان:72)

اور جب کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہوتا ہے تو شرافت سے گزر جاتے ہیں۔

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ (سورة القصص:٥٥)

اور جب بیہودہ بات کان میں پڑتی ہے تو اس سے کنارہ کر لیتے ہیں۔

محمد مبشر نذیر

سلسلۂ سوال و جواب
سوشل سائنسز پر ایک دلچسپ گفتگو

السلام علیکم! جناب میرے سوالات سوشل سائنسز سے متعلق ہیں۔ سر قران پاک میں مرد کو قوام مقرر کیا گیا ہے یعنی کے فیملی کے ادارے کا سربراہ۔ اور نان نفقہ کی ذمہ داری بھی مرد پر ڈالی گئی ہے۔ عرب کلچر ایک patriarchal تھا، لہذا اس میں یہ حکم دیا گیا جبکہ آج جبکہ سوشل سائنسز نے ترقی کر لی ہے اور مرد و عورت کی تقسیم بھی ختم ہو گئی ہے اور سوشل سائنٹسٹ یہ بھی کہتے ہیں کہ gender کا تصور کوئی ایسا تصور نہیں ہے جو کہ بچہ پیدا ہونے کے ساتھ لیکر آتا ہے۔ بلکہ genderتو بچے کو (خواہ لڑکا ہو یا لڑکی) سوسائٹی assign کرتی ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان کی خواتین اور مغرب میں مقیم پاکستانی خواتین کے رولز میں کافی فرق ہے جو کہ ظاہر ہے کہ سوسائٹی کے فرق کی وجہ سے ہی ہے کہ وہاں کی سوسائٹی نے انھیں جو رول assign کیا اُنھوں نے اپنا لیا اور پاکستان میں جوassign کیا پاکستانی خواتین نے اپنا لیا۔

1. اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرانی شریعت جو کہ ابدی ہے اور ہر زمانے کے انسانوں کے لیے قابلِ عمل ہے تو آج کی یہ سوشل سائنسز نے gender equality کو ایک مسلّمے کے طور پر منوالیا ہے تو کیا ایسا نہیں لگتا کہ قرانی احکامات کی نوعیت ابدی نہیں بلکہ وقتی ہے؟
2. اگر ایسا ہے تو کیا ہم قران کو صرف ایک خاص دور کے تناظر میں ہی دیکھنے کے لیے مجبور نہیں ہو جائیں گے ؟
3. کیا اس طرح کے تصورات سے جو کہ ماڈرن ذہن قبول نہیں کر رہا، ان سے قران پاک کی آفاقیت مجروح نہیں ہو رہی؟
4. قوام والے حکم کی صحیح نوعیت بھی واضح کر دیں۔

براہ کرم ان سوالات کا مفصل جواب ارشاد فرمائیں۔ دعا گو! محمد ثوبان

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بھائی آپ نے موجودہ دور کے لحاظ سے بہت مفصل سوال پوچھا ہے اس لئے میں آپ کے سوال کے ہر جز کا الگ الگ جواب تحریر کر رہا ہوں۔ سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیجیے کہ قرآن مجید کی شریعت تو ہر دور، ہر تہذیب اور علاقے کے لوگوں کے

لیے ہے۔ زیادہ تر ادوار اور کلچر میں خاندان کی ذمہ داری شوہر ہی کی رہی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ موجودہ زمانے میں جب خواتین کے اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں تو اس ذمہ داری کا تعلق میاں بیوی کے باہمی معاہدے پر ہے۔ اصول وہی ہے کہ شوہر معاشی ذمہ دار ہے۔ لیکن بجٹ اور ضروریات کو مینیج کرنے کے لئے اگر میاں بیوی باہمی طور پر کوئی معاہدہ کر لیتے ہیں اور معاہدے کے وقت بیوی کہتی ہے کہ وہ بھی معاشی ذمہ داری لے گی تو قرآن مجید کا اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس لیے میاں بیوی اگر اس پر معاہدہ کر لیتے ہیں کہ فلاں فلاں معاملات میں بیوی ذمہ داری لے رہی ہے تو اللہ تعالی کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

شریعت میں اصول یہی ہے کہ عموماً ذمہ داری شوہر کی ہے۔ لیکن اگر بیوی اس ذمہ داری کو شوہر سے نہیں لینا چاہتی تو اس کی مرضی ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے حکومت کی جانب سے آپ کو سیلری دی جا رہی ہے اور آپ اپنی آزادانہ مرضی سے معاہدہ کر لیں کہ آپ سیلری نہیں لینا چاہتے تو اس پر حکومت کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ قرآن مجید کے مطابق لوگوں سے حقوق کو چھین لینا حرام ہے۔ لیکن اگر لوگ آزادانہ مرضی سے اپنے فائدے کو نہیں لینا چاہ رہے تو حکومت کو اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن ایسی Exemption میں طریقہ پھر یہی ہو گا کہ دونوں فریق معاہدے کو قانونی طور پر لکھ لیں تا کہ اگر اختلاف پیدا ہو اور معاملہ عدالت تک پہنچے تو عدالت اس تحریر پر فیصلہ کر سکے۔

آپ کے سوال کا جز 1۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرانی شریعت جو کہ ابدی ہے اور ہر زمانے کے انسانوں کے لیے قابلِ عمل ہے تو آج کی سوشل سائنسز نے gender equality کو ایک مسلمے کے طور پر منوالیا ہے تو کیا ایسا نہیں لگتا کہ قرانی احکامات کی نوعیت ابدی نہیں بلکہ وقتی ہے؟

جواب: قرآن مجید کی شریعت میں اکثر اصول (Policies) دے دئے گئے ہیں۔ اس پر پریکٹیکل عمل (Procedure) کو انسانوں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانے میں ان اصولوں پر عمل کروایا ہے اور اس کو "سنت" بنا کر مقرر کر دیا ہے جو ہر دور اور ہر کلچر میں اپلائی ہو جاتی ہے۔ جہاں تک دین کی Procedures & Policies موجود ہیں اور وہی ابدی ہے۔ قرآن مجید کے مطابق مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ سب برابر ہیں اور ان پر قرآن و سنت کے احکامات یکساں لاگو ہوتے ہیں۔

اب اگلا مرحلہ یہ آیا ہے کہ مختلف کلچر اور ادوار میں فقہاء نے اجتہاد کر کے اسے اپنے اپنے علاقے میں اپلائی کیا ہے۔ یہ ابدی نہیں ہو سکتا ہے بلکہ ہر کلچر اور ہر ٹائم میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے مثلاً مغل سلطنت میں اورنگ زیب عالمگیر صاحب نے

"فتاوی عالمگیریہ" کی شکل میں پروسیجرز بنا دیے تھے۔ اب وہ صورتحال ہی بدل گئی ہے تو اس لئے اب انفارمیشن ایج میں نئے پروسیجرز بنائے جاسکتے ہیں۔ اس کے لیے معاشی مثالیں بھی آپ دیکھ سکتے ہیں جس میں فقہاء اب بھی اجتہاد کر رہے ہیں۔

علامہ اقبال نے اسی موضوع کی اپنے لیکچرز میں لسٹ بنا دی تھی جس میں تبدیلیوں کی ضرورت انہوں نے 1939 میں سمجھی تھی۔ اب مزید تبدیلیوں کی ضرورت ہے، جو کہ صرف پروسیجرز میں ہی ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید کے اصولوں اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ میرے ان لیکچرز کو دیکھ سکتے ہیں جس میں بہت سی موجودہ مثالیں FQ17-FQ78 تک حاضر ہیں:

http://mubashirnazir.org/Lectures/Fiqh%20-%20Islamic%20Jurisprudence%20Lectures.htm

سوال کا جزو 2۔ اگر ایسا ہے تو کیا ہم قران کو صرف ایک خاص دور کے تناظر میں ہی دیکھنے کے لیے مجبور نہیں ہو جائیں گے ؟

جواب: جی نہیں۔ اصول میں کبھی تبدیلی نہیں آتی ہے البتہ پروسیجرز میں تبدیلی آتی ہے۔ اس کی مثال کے طور پر آپ اس اصول کو دیکھ لیجیے کہ قرآن مجید کے مطابق دوسروں کے معاش اور آمدن پر قبضہ حرام ہے۔ اب اس ناجائز قبضے کی ہر دور میں ہزاروں شکلیں ملتی ہیں جیسے فراڈ، کرپشن، چوری، آن لائن فراڈ وغیرہ۔ قرآن مجید کا یہ اصول ہزاروں شکلوں پر اپلائی ہو جاتا ہے۔ دوسری مثال فیملی کے قانون کو دیکھ لیجیے جو قرآن و سنت میں ہے۔ اس کو بھی آپ اپنے دور میں اپلائی کر لیجیے تو صورتحال تبدیل ہو جائے گی لیکن اصول وہی رہے گا جو قرآن و سنت میں ہے۔

سوال کا جزو 3۔ کیا اس طرح کے تصورات سے جو کہ ماڈرن ذہن قبول نہیں کر رہا، ان سے قران پاک کی آفاقیت مجروح نہیں ہو رہی ؟

جواب: اس دور کا ماڈرن ذہن واقعی اسے قبول نہیں کر رہا۔ اس مسئلے کو میں بھی کوئی پینتیس سال تک سوچتا رہا تھا۔ آخر میں رزلٹ یہی نکلا کہ ماڈرن ذہن میں اس لیے شبہات پیدا ہو رہے ہیں کہ قدیم زمانے میں فقہاء اور دیگر اہل علم نے جو اجتہادات کیے تھے وہ اپنے زمانے کے لحاظ اور ضروریات کے مطابق تھے، ان میں سے بہت سے اجتہادات اب ویلیڈ نہیں رہے۔ اگر انہیں پالیسی یعنی قانون تک محدود رکھا جائے جو قرآن و سنت میں ہے تو پھر ماڈرن ذہن کے لئے کوئی ایشو نہیں بنتا۔ جدید ذہن کے شبہات کی عمومی وجہ پرانے اہل علم کے کام میں ہے جو کہ ان کے اپنے زمانے کے لحاظ سے قابل عمل تھا۔ اگر اُس کو چھوڑ دیا جائے اور قرآن و سنت میں بیان کردہ اصول و قوانین کو موجودہ زمانے میں اجتہاد کر کے خود اپلائی کر لیا جائے تو کوئی ایشو ہی نہیں ہے۔

سوال کا جزو 3۔ قوام والے حکم کی صحیح نوعیت بھی واضح کر دیں۔

جواب: لفظ "قوام" کا معنی ہے کہ گھر کی فیملی کے ہیڈ کی ذمہ داری۔ قرآن مجید کے اصول میں بتا دیا گیا ہے کہ یہ معاشی ذمہ داری شوہر پر ہے کہ وہی قوام ہے۔ موجودہ زمانے میں آپ خود دیکھ لیجیے خواتین خود اپنی مرضی سے ذمہ داری پکڑنا چاہ رہی ہیں تو قرآن مجید کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ قرآن مجید کا اعتراض تب ہو گا جب شوہر زبردستی اپنی بیگم کو معاشی ذمہ دار بنا دے۔ اگر ایسا نہ ہو بلکہ بیگم اپنی مرضی سے ذمہ داری لے رہی ہے تو لے لے۔

سائل: بہت شکریہ سر ! مطلب یہ کہ قران پاک نے اسے ایک ابدی اصول کی صورت میں قائم کیا ہے کہ مرد گھر کا سربراہ ہے اور اگر خواتین گھر کی ذمہ داری سنبھالنا چاہتی ہیں تو قران اس میں مانع نہیں ہے۔ اور اس میں میری نظر میں ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مرد پر کمائی کی ذمہ داری اس لیے ڈالی گئی ہے کہ مرد کے لیے معاش کرنا آسان ہے اگر یہ ذمہ داری مرد پر نہ ڈالی جاتی تو پھر شاید مرد اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے مبرا سمجھتے اور خواتین کو مجبور کرتے کہ تم بھی کما کر لاؤ۔ ظاہری بات ہے کہ ہر خاتون کو روزگار میسر نہیں آتا ہے۔ اس لیے یہ اندیشہ تھا کہ کہیں قحبہ گری کا پیشہ عام نہ ہو جائے کیونکہ جب مرد گھر میں عورت کو مجبور کرے گا اور عورت ہنر مند نہیں تو یہ ہی ایک طریقہ بچتا ہے جو وہ اختیار کرے گی معاذاللہ !

جواب: اس حکم کی جس حکمت کا آپ نے تجزیہ کیا ہے، وہ بالکل درست ہے۔ قرآن مجید جب نازل ہوا، اس وقت ایگریکلچر ایج تھی اور اس میں بڑا مشکل کام تھا کہ خواتین اکیلی کھیتوں میں جا کر کام کریں۔ اس کے لیے آپ ہزاروں کیس اسٹڈیز پڑھ اور سن سکتے ہیں جس میں خواتین کھیتوں میں کام کے لئے نکلیں تو ان پر حملے ہوئے۔ احادیث میں بھی وہ کیس بیان ہوئے ہیں کہ خواتین صبح یا شام میں کھیتوں میں جا کر رفع حاجت کرتی تھیں اور منافقین نے انہیں تنگ کیا اور بعد میں ریپ بھی کیے۔ خود پاکستان میں ایسے کیسز آپ انسپکٹر ملک صفدر حیات صاحب کی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں۔

موجودہ زمانے میں بھی یہ ممکن ہے کہ خواتین جاب کے لیے اکیلی آفس تک جائیں تو تب بھی ان پر حملے ہو سکتے ہیں۔ فیکٹریز اور میڈیا کی جاب میں ہراسمنٹ کے حملے تو اب بھی ہوتے ہیں لیکن نسبتاً کچھ بہتر حالت ہو گئی ہے ورنہ پچھلی صدی میں یہی مسئلہ رہا ہے۔ اس لیے گھر کی ذمہ داری شوہر ہی پر رکھ دی گئی ان پر اتنے حملے نہیں ہوتے۔ اللہ تعالی نے اسی لیے خواتین پر ذمہ داری نہیں ڈالی۔ اب اگر وہ خود محنت کرنا چاہیں تو ان کی اپنی مرضی ہے لیکن اللہ تعالی کی شریعت میں ان پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

سائل: دوسری حکمت میری نظر میں یہ ہے کہ آج جو gender equality کا تصور ہے وہ یہ ہے کہ خواتین کو روزگار کے یکساں موقع میسر آسکیں لیکن خاندان کا ادارہ تو آج بھی قائم ہے جس کی بنیاد کو قائم و دائم رکھنے کے لیے مذہب نے یہ حکم دیا کہ مرد قوام ہے اور عورتوں پر گھر کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ گویا کہ مذہب کے پیشِ نظر یہ ہے کہ خاندان تباہ نہ ہو اور کہیں مرد و عورت اپنی ذمہ داریوں میں افراط و تفریط کا شکار نہ ہو جائیں۔ اس لیے یہ کہا کہ جو مرضی کرو لیکن یہ ادارہ اسی طرح قائم رہنا چاہیے چنانچہ اس میں سربراہ کا ہونا ضروری ہے۔۔

جواب: اس کے لیے آپ اچھی کیس اسٹڈیز امریکہ اور یورپ کے غیر مسلم سوشل اسکالرز کی کتابوں اور آرٹیکلز میں پڑھ سکتے ہیں۔ جب خواتین اور مرد دونوں پر ذمہ داری لگا دی گئی تو اس کے نتائج کیا سامنے آئے ہیں؟ وہاں خواتین کی بڑی اکثریت پھر بچہ ہی پیدا نہیں کرنے دیتیں کہ انہوں نے جاب کرنی ہے۔ اس وجہ سے وہاں فیملی کا ادارہ ہی نہیں بنتا ہے۔ مرد و خواتین شادی نہیں کرتے بلکہ بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ کا تعلق رکھتے ہیں اور پھر جب چاہیں، علیحدگی بھی کر لیتے ہیں۔

اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے شادی کو قانونی طور پر اتنا مشکل بنا دیا ہے کہ مرد و عورت غیر قانونی تعلق قائم رکھتے ہیں۔ شادی میں تو اتنی مشکل ہے کہ شوہر یا بیوی جس نے بھی طلاق دی، اسے اپنی بچت اور گھر کو تقسیم کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں بچے کم پیدا کرتے ہیں، تبھی وہ ہم لوگوں کو امیگریشن کرواتے ہیں تاکہ جوان لوگ ان کے پاس آئیں، جو ان کے کام کریں اور معاش کے طور پر ان کے بزرگوں کی خدمت کریں۔ اب ان کے بزرگوں کی عمر بھی زیادہ ہوتی ہے اور ان کی خدمت کے لیے حکومت کو خرچ کرنا پڑتا ہے تو وہ پھر نوجوانوں سے 40٪ ٹیکس بھی لے لیتے ہیں۔ میری ملاقات یورپی اور امریکی کولیگز سے ہوئی تو میں نے پوچھا کہ آپ اپنے ملک کو چھوڑ کر سعودی عرب میں جاب کیوں کر رہے ہیں؟ کہنے لگے کہ ان کے ملک میں ٹیکس بہت زیادہ ہے جبکہ سعودی عرب میں ٹیکس فری آمدنی ہے۔

اللہ فرشتوں اور اہل علم کی گواہی

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ [آل عمران: 18]

اللہ نے، اس کے فرشتوں نے اور (اِس دنیا میں) علم حقیقی کے سب حاملین نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ انصاف پر قائم ہے، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، زبردست ہے، بڑی حکمت والا ہے۔

تعلیمی وتربیتی کورسز کے ویب لنکس

علوم القرآن کا دور جدید اردو زبان میں مطالعہ۔۔۔ترجمہ اور تفسیر

http://mubashirnazir.org/Lectures/Quranic%20Studies%20Lectures.htm

تعمیر شخصیت کا طریقہ کار

http://mubashirnazir.org/Lectures/Personality%20Development%20-%20Video%20and%20Audio%20Lectures.htm

علم الفقہ

http://mubashirnazir.org/Lectures/Fiqh%20-%20Islamic%20Jurisprudence%20Lectures.htm

علوم القرآن لیکچرز

http://mubashirnazir.org/Lectures/Video%20and%20Audio%20Lectures.htm

تاریخ سیاسی اور دعوتی فکری، علمی، کی مسلمہ امت

http://mubashirnazir.org/Lectures/History%20-%20Video%20and%20Audio%20Lectures.htm

علوم الحدیث

http://mubashirnazir.org/Lectures/Hadith%20-%20Prophet's%20Knowledge%20&%20Practice%20Lectures.htm

Quranic Arabic Program

http://mubashirnazir.org/Lectures/Quranic%20Arabic%20Language%20Lectures.htm

قرآن اور بائبل کے دیس میں

http://mubashirnazir.org/Lectures/Tourism%20in%20Quran%20&%20Bible.htm